عمرو کا بھوت

عمرو کا بھوت

داستانِ طلسم ہوش رُبا

حصّہ دوم

اختر رضوی

عُمرو کی موت

آپ اس داستان کے پہلے حصّے ''عُمرو کی غدّاری'' میں پڑھ چُکے ہیں کہ جھُوٹی خُدائی کا دعوے دار لقا امیر حمزہ کے خوف سے طِلسم ہزار شکل میں جا چھُپتا ہے۔ فرامُرز اور بختیارک اس کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن امیر حمزہ وہاں بھی اُس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ آخر طِلسم ہزار شکل اُن کے ہاتھوں تباہ ہو جاتا ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ طِلسم کے ساتھ لقا بھی جہنّم واصل ہو گیا۔ مگر تلاش کرنے پر نہ اُس کی لاش ملتی ہے نہ کوئی اور نشانی۔ سوچتے ہیں کہ شاید بچ نِکلا۔ وہ ہر طرف جاسوس دوڑاتے ہیں۔ کئی دِن بعد جاسوس واپس آتے ہیں اور خبر دیتے ہیں کہ لقا اپنے سینکڑوں جاں نثاروں کے ساتھ کرہ عقیق کی سرحد کے قریب جا پُہنچا ہے۔ بادشاہ وہاں کا سُلیمان عنبریں ہے جو لقا کی

خُدائی پر اعتماد کرتا ہے۔ طلِسم ہوش رُبا کا بادشاہ افراسیاب جادُو بھی اس کا ہم عقیدہ ہے اور سرحدیں دونوں ملکوں کی ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ امیر حمزہ اور ان کے سردار یہ باتیں سُن کر سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔

اب آگے کا حال سُنیے۔

امیر حمزہ کُچھ دیر خاموشی سے سوچتے رہے۔ پھر اہلِ دربار کو مُخاطب کرتے ہوئے یوں بولے۔ ”دوستو اور ساتھیو، میں جانتا ہوں کہ گھروں سے نِکلے ہوئے تمھیں مُدّت گُزر چُکی ہے۔ بال بچّوں کو دیکھنے کے لیے تُمھارے دِل تڑپ رہے ہیں۔ خود مُجھے بھی وطن کی یاد ستا رہی ہے۔ بے شک اگر اِس مُہم میں لقا کا خاتمہ ہو جاتا تو میں آج ہی تم سب کے ساتھ واپس روانہ ہو جاتا لیکن جیسا کہ ابھی تم نے جاسوسوں سے سُنا ہے لقا کوہ عقیق جا پُہنچا ہے۔ اگر اِس حالت میں ہم وطن پلٹتے ہیں تو ہمیں ہرگز وہاں چین نصیب نہ ہو گا۔ سُلیمان

عنبریں اور افراسیاب جادُو کی فوجیں جلد ہی وہاں ہم پر آ گریں گی۔ پھر اگر وہاں ہم نے اُنہیں شکست بھی دے دی تو بھی اُن کا کُچھ نہ بگڑے گا۔ میدانِ جنگ بننے کی وجہ سے ہمارا مُلک برباد ہو گا اور وہ اپنے مُلک میں آرام سے رہتے ہوئے دوسری فوجیں بھیجتے رہیں گے۔"

"مُجھے اس بات کا بھی اِحساس ہے کہ اگر ہم اسی حال میں لقا کا تعاقب کرتے ہیں تو ایک تو ہمارا لشکر اور ساز و سامان تھوڑا ہے۔ دوسرے دشمنوں کے مُلکوں اور طلِسموں کو فتح کرنے میں کئی برس لگ سکتے ہیں۔ اس لیے میں کھلے دِل سے تُم کو اِجازت دیتا ہوں کہ جس کا جی چاہے وطن کی راہ لے اور جو خوشی سے پسند کرے میرے ساتھ رہے۔ میں ہر حال میں کوہ عقیق اور طلِسم ہوش رُبا کو جاؤں گا۔ جب تک لقا، سُلیمان اور افراسیاب کو خاک میں نہ ملاؤں گا وطن کی جانب قدم نہ اُٹھاؤں گا۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔ مگر اپنے سوا میں تم میں سے کسی کو بھی اس کا پابند نہیں بناتا۔ میری طرف سے ہر شخص آزاد ہے۔ جو رہ جائے گا فخر سے اُس کو اپنا ساتھی بناؤں گا۔ جو چلا جائے گا ہرگز اُس کے

خلاف دِل میں میل نہ لاؤں گا۔ بس مُجھے یہی کہنا تھا۔"

امیر حمزہ کی یہ تقریر سُن کر جاں نثاروں کا عجب حال ہوا۔ کسی کا چہرہ تمتما اُٹھا، کسی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کوئی جوش میں اپنے ہونٹ چبانے لگا۔ کوئی بے چینی کے ساتھ پہلو بدلنے لگا۔ کُچھ دیر بعد وہ سنبھلے۔ ہر ایک نے باری باری ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ پھر ایک دم کھڑے ہو کر اور تلواروں کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر چلّانے لگے۔

"ہرگز آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ آیندہ آپ نے ہمیں غیر سمجھا تو اپنے ہاتھوں اپنی گردنیں کاٹ ڈالیں گے۔ ہمارے بال بچّے اور گھر بار آپ سے بڑھ کر نہیں۔ آپ ہی کا صدقہ ہیں۔ جب تک یہ نئی مُہم سر نہ ہو جائے گی، ہرگز دُوسرا خیال دِل میں نہ آنے دیں گے بس حکم فرمایئے۔ ہم اِسی وقت اِسی حال میں کُوچ کرنے کو تیّار ہیں۔"

اپنے سرداروں کا یہ جذبہ دیکھ کہ امیر حمزہ کا سینہ فخر سے پھُول گیا۔ بے اختیار

”مرحبامرحبا آفرین آفرین“ کے کلمات اُن کی زبان سے ادا ہونے لگے۔ کُچھ دیر بعد سرداروں کے مشورے سے اگلے دِن کوہ عقیق کی جانب کُوچ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ساتھ ہی نامہ بَر کبوتروں کے ذریعے بادشاہ سعد بن قباد کی خِدمت میں خط بھی روانہ کیا گیا۔ خط میں سارا حال طلِسم ہزار شکل کی فتح اور لقا وغیرہ کے فرار کا بیان کیا گیا تھا۔ اور کوہ عقیق کی سمت روانگی کی اطّلاع دی گئی تھی۔ مُلکِ سُلیمان اور مُلک افراسیاب کے حالات درج کیے گئے تھے اور اپنی بے سروسامانی اور تعداد کی کمی کا اظہار کرتے ہوئے دُعا اور مدد کی درخواست کی گئی تھی۔

دُوسرے دِن لشکر امیرِ نے ڈیرہ اُٹھایا اور یلغار کرتا ہوا منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔ رات ہونے پر وہ صرف چند گھنٹوں کے لیے آرام کرتے، باقی سارا وقت چلتے رہتے۔ پانچویں دِن ایک سرسبز علاقے میں پہنچ کر اُنہوں نے پڑاؤ ڈالا۔ اس موقع پر شہزادہ بدیع الزّمان کا دِل شکار کھیلنے کے لیے تڑپ اُٹھا۔ ضِد کر کے اُنہوں نے امیر سے اجازت حاصل کی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ جنگل

کی راہ لی۔ کُچھ دُور جانے پر اُنہیں ایک ہرن نظر آیا۔ ایسا شوخ اور خوب صُورت ہرن شہزادے نے اِس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ اُسے زندہ پکڑنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ ساتھیوں کی مدد سے بڑی جدّوجہد کے بعد اُس نے ہرن کو گھیرے میں لے لیا۔ ہرن نے کسی طرف سے نکلنے کی راہ نہ پائی تو بیچ میں ایک جگہ جم کر کھڑا ہو گیا۔ شہزادے نے گھیرا تنگ کر کے اُس کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ ہرن چوکنّا ہو کر اِدھر اُدھر ضُرور دیکھتا رہا مگر پریشانی یا گھبراہٹ اُس سے بالکل ظاہر نہ ہوتی تھی۔ شہزادے کو یقین ہو گیا کہ دہشت سے اِس کے ہاتھ پاؤں پھُول گئے ہیں اور وُہ چوکڑی بھُول گیا ہے۔ قریب پہنچ کر شہزادے نے کمند کا حلقہ اُس کی طرف پھینکا۔ حلقہ ہرن کی گردن میں جا پڑا۔ لیکن ابھی شہزادہ کمند کو حرکت دے کر حلقے کو تنگ نہ کر پایا تھا کہ ہرن نے بجلی کی سی پھُرتی سے ایک جِست لی اور حلقہ کمند سے اِس طرح نِکل گیا جیسے بازی گر کرتب دِکھاتے وقت لوہے کے کڑے کے اندر سے نِکل جاتے ہیں۔ شہزادہ اس کی اس حیرت انگیز پھُرتی پر حیران بھی ہو رہا

تھا کہ ہرن نے ایک چوکڑی بھری اور تِیر کی طرح سنسناتا ہوا اُس کے قرب سے گھیرا توڑ کر نِکل گیا۔ ہرن کی اِس حرکت نے شہزادے کو تلملا کر رکھ دیا۔ جوش میں آ کر اس نے گھوڑے کو پلٹایا اور ہرن پر جھپٹ پڑا۔ ہرن چھلّاوے کی طرح پھر اُس کی زد سے نِکل گیا۔ جنگل کی جانب مُنہ پھیر کر طرارے بھرنے لگا۔ شہزادے نے بھی گھوڑے کو اُس کے پیچھے لگا دیا۔ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے ہوا میں اُڑتے چلے جارہے تھے۔ کافی دیر بعد جب شہزادے کو یقین ہو گیا کہ وہ اس ہرن کو کِسی طرح زندہ نہ پکڑ سکے گا تو غُصّے میں آ کر اس نے ترکش سے تیر نکال کر کمان میں جوڑا، ہرن پر شِست باندھی اور پُوری قوّت سے کمان کھینچ کر تیر چھوڑ دیا۔ پلک جھپکتے میں ہرن اُچھل کر زمین پر آ رہا۔ تِیر اُس کے گلے میں پیوست ہو گیا تھا۔ خُون کا فوّارہ اُس کی گردن سے پھُوٹ پڑا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہلاک ہو گیا مگر شہزادہ اس کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اُترا ہی تھا کہ چاروں طرف گھٹاٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ خوفناک آندھی چلنے لگی۔ دردناک چیخوں سے جنگل گُونجنے لگا اور پھر

ایک زور دار آواز بُلند ہوئی۔ افسوس کہ میں ہلاک ہوا۔ میرا نام غزال جادُو تھا۔

شہزادے کے ساتھی اُس سے بُہت پیچھے رہ گئے تھے۔ کافی دیر بعد جب وہ اُسے ڈھونڈتے ہوئے اُس جگہ پُہنچے تو بے اِختیار اُن کی چیخیں نِکل گئیں۔ وہاں نہ آندھی تھی نہ اندھیرا۔ نہ ہرن تھا نہ گھوڑا۔ زمین پر ایک جگہ شہزادے کی سر کٹی لاش پڑی ہوئی تھی۔

وہ چارو ناچار لاش اُٹھا کر روتے پیٹتے لشکر گاہ واپس ہوئے۔ یہاں کُہرام مچ گیا۔ کوئی شہزادے کی سجیلی جوانی پار کر کے نوحہ کرتا، کوئی اُس کی بہادُری کی داستانیں دُہراتے ہوئے سر پیٹتا۔ امیر حمزہ کو جب یہ ناگہانی خبر مِلی تو بے اختیار ننگے پاؤں، ننگے سر دوڑتے ہوئے خیمے سے باہر آئے اور بے اختیار لاش سے لپٹ کر رونے لگے۔ اسی ہنگامے میں خواجہ عُمرو بھی آ پہنچے۔ دوستوں اور ساتھیوں کے بَین سُن کر اور خود امیر کو بے قراری کے ساتھ

لاش سے لپٹتا دیکھ کر اُن کا بھی کلیجا ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا مگر آخر کو عقل مند عیّار تھا۔ ہمیشہ جوش کو ہوش کے قابو میں رکھتا تھا۔ آتے ہی اُس نے شہزادے کے ساتھیوں سے سارا حال معلُوم کیا۔ پوری بات سُن کر کُچھ دیر خاموشی سے غور کرتا رہا۔ پھر امیر حمزہ کو لاش سے جُدا کرتے ہوئے بولا۔

"یا امیر حوصلے سے کام لیجئے۔ مُجھے دال میں کُچھ کالا دِکھائی دیتا ہے۔ بہتر ہے کہ حکیم بزُرجمہر کے بیٹوں کو بُلایئے۔ نجوم کے ذریعے اصل مُعاملے کی تحقیق فرمایئے ہم جادُوگروں کے مُلک کے قریب ہیں۔ یہاں جو چیز جیسی دِکھائی دے فوراً اور بغیر تحقیق کے اُسے ویسا ہی نہ سمجھنا چاہیے۔"

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے۔ عُمرو کی یہ بات سُنتے ہی امیر چونک پڑے۔ اُنہیں خیال گُزرا کہ بغیر سر کی اِس لاش کو سو فیصد بدیع الزّمان کی لاش سمجھنا واقعی معقول بات نہیں۔ مُمکن ہے یہ کسی اور کی لاش ہو۔ اِس خیال سے اُن کی کُچھ ڈھارس بندھی۔ فوراً حکیم بزُرجمہر کے فرزندوں کو طلب

کیا۔ تینوں بھائی بھاگتے ہوئے آئے۔ عُمرو نے اُنہیں ساری بات بتا کر حقیقت معلُوم کرنے کی ہدایت کی۔ تینوں بھائی بڑی توجّہ کے ساتھ فال، رمل اور نجوم کا حساب لگانے لگے۔ خیمے میں جتنے لوگ موجود تھے سب خاموش تھے۔ امیر حمزہ دھڑکتے ہوئے دِل اور اُمّید بھری نگاہوں سے تینوں حکیم زادوں کے چہروں کو تک رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اُن حکیم زادوں نے جو کُچھ بیان کیا اُسے سُن کر سب لوگ سجدۂ شکر ادا کرنے لگے۔ بہتے ہوئے آنسو تھم گئے۔ غم زدہ چہرے کِھل اُٹھے اور آہ و بکا کے شور کی جگہ لشکر گاہ میں شادیانے بجنے لگے۔ اُنہوں نے کہا کہ "ہرن کے تعاقب میں شہزادہ طِلسم ہوش رُبا کی حد میں جا داخل ہوا تھا۔ جس مقام پر اُس نے ہرن کو ہلاک کیا وہ شہنشاہ افراسیاب کی بہن شرارہ جادُو کے علاقے میں ہے۔ وہ ہرن دراصل شرارہ کا ایک غلام جادُوگر تھا جِس کا نام غزال جادُو تھا۔ خُدا کے فضل سے شہزادہ بدیع الزّمان زندہ ہے۔ البتّہ شرارہ نے اُسے قید کر لیا ہے۔ اور یہ سر کٹی لاش ماش کے آٹے کی ہے جو ہم سب کو صدمہ پہنچانے کے لیے شرارہ نے

جادُو سے بنائی ہے۔ امیر اسمِ اعظم پڑھ کر پانی اِس پر چھڑکیں گے تو یہ اصلی حالت میں ظاہر ہو جائے گی۔"

امیر نے اسمِ اعظم پانی پر دم کر کے لاش پر چھڑکا۔ لاش کی جگہ گُندھے ہوئے ماش کے آٹے کے لوندے دکھائی دینے لگے۔ اب امیر کو شہزادے کی رہائی کی فِکر ہوئی۔ کُچھ دیر سوچ بچار کرنے کے بعد اُنہوں نے عُمرو سے کہا۔

"خواجہ جی، یہ کام صِرف دو آدمی کر سکتے ہیں۔ تُم یا میں۔ تُم نہ گئے تو مُجھے ہی شہزادے کی رہائی کے لیے جانا پڑے گا۔ بولو کیا خیال ہے؟"

"میری جان آپ پر اور آپ کی آل اولاد پر صدقے ہو۔" عُمرو نے کہا۔ "میں اسی وقت جانے کو تیّار ہوں۔ مگر کیا کروں۔ شاگردوں، ملازموں اور ساہوکاروں ہو جائے گی کا قرض دار ہو گیا ہوں اور قرضہ ادا کیے بغیر اِس مہم پر جانا جائز نہیں۔ کیا پتہ موت سے کہاں اور کب مُڈ بھیڑ ہو جائے۔ سُنا ہے قرض دار کی جان بڑی مُشکل سے نِکلتی ہے۔"

امیر حمزہ سمجھ گئے کہ خواجہ مال ہتھیانا چاہتے ہیں۔ مزہ لینے کے خیال سے اُنہوں نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”تُم قرضے کی فکر نہ کرو۔ مر گئے تو فوراً پائی پائی ادا کر دوں گا اور جان نکلنے میں تکلیف ہو تو فوراً سورۃ یٰسین کی تلاوت کرنے لگنا۔ فی الحال ایسے ہی چلے جاؤ۔“

اس پر خواجہ عُمرو بھڑک اُٹھے۔ تنتناتے ہوئے کہنے لگے۔ ”بُہت خُوب، گویا تُم مُجھے آسانی سے مرنے کی ترکیبی بتاؤ گے۔ مرنے کے بعد سارا قرضہ بھی ادا کر دو گے۔ مگر جیتے جی پھوٹی کوڑی نہ دو گے۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ ہم تُم سے بیزار ہیں۔ ہمارا پیچھا چھوڑو۔ کیا ساری زندگی کی وفاداری اور بچپن کی دوستی کا یہی صلہ ہے؟“

آخر کار عُمرو نے ہنگامہ مچا کے لاکھ روپے قرضے کے نام پر اور پچاس ہزار سفر خرچ کے امیر سے وصول کیے۔ اِس کے بعد شہزادے کے ساتھیوں سے پورا پتا ٹھکانا اُس جگہ کا معلُوم کیا جہاں نقلی لاش مِلی تھی پھر اپنے خیمے میں گیا،

عیّاری کا سارا ضروری سامان سنبھال کر زنبیل میں رکھا اور ہر طرح تیّار ہو کر مُہم سر کرنے نِکل کھڑا ہوا۔

عُمرو تیر کی رفتار سے دوڑتا ہوا جلد ہی اُس مُقام پر جا پہنچا جہاں شہزادے نے غزال جادُو کو ہلاک کیا تھا۔ وہاں کُچھ دیر دَم لے کر وہ اندازے سے ایک طرف کو چل دیا۔ کُچھ دیر بعد گھنے درختوں اور جھاڑیوں سے گِھری ہوئی ایک پگڈنڈی اُسے اپنے سامنے دکھائی دی۔ وہ چکرا کر رہ گیا۔ کبھی سوچتا دائیں طرف جاؤں، کبھی رائے قائم کرتا بائیں طرف جاؤں۔ وہ ابھی کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ بائیں جانب سے اسے پازیبوں کی جھنکار اور قہقہوں کی کِلکار کی آوازیں قریب آتی محسوس ہوئیں۔ وہ اُچھل کر ایک جھاڑی کی اوٹ میں ہو بیٹھا۔ چند ہی لمحے بعد دو دو کی قطار میں زرق برق لباس پہنے خوب صورت عورتوں کا ایک گروہ بائیں جانب سے بر آمد ہوا۔ اُن کے پیچھے ایک سجی ہوئی گھوڑی پر سوار، موتیوں کا سفید تاج پہنے، سفید بُراق ململ کا کام دار لباس زیبِ تن کیے ایک سُرخ و سفید چنچل لڑکی تھی۔ اِس کے بعد پھر پہلی جیسی

عورتوں کا گروہ تھا۔ وہ سب آپس میں ہنسی مذاق اور ٹھٹھول کرتی جارہی تھیں۔

عُمرو سمجھ گیا کہ گھوڑی پر سوار لڑکی کوئی شہزادی ہے اور اس کے آگے پیچھے چلنے والی اُس کی خادمائیں ہیں۔ جِس بے فکری سے وہ سب ہنستی بولتی ہوئی چلی جارہی تھیں، اُس سے اُس نے یہ رائے بھی قائم کی کہ وہ اس علاقے کو اپنے لیے ہر طرح محفوظ سمجھتی ہیں اور ضرور طلِسم ہوش ربا سے تعلّق رکھتی ہیں۔ پہلے تو اُس کے جی میں آئی کہ چھپتا چھپاتا اِن کا پیچھا کرے۔ مگر پھر ڈرا کہ کہیں چھُپے ہوئے طلِسمی مُحافظ نہ دیکھ لیں۔ اِس کے بعد اُسے عیّاری کی چادر کا خیال آیا۔ بے شک اُسے اوڑھ کر وہ ہر جاندار کی نگاہ سے چھُپ سکتا تھا مگر کِسی طلِسمی رُکاوٹ کو پار نہ کر سکتا تھا۔ یہ خیال بھی اُس نے ترک کر دیا۔

اب جلوس کی آخری عورت اُس کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ جانے کیوں وہ دوسروں سے کُچھ پیچھے رہ گئی تھی۔ دائیں جانب کا موڑ دم بہ دم اُس کے قریب

ہو تا جا رہا تھا۔ آخر کار عُمرو کو ایک ترکیب سُوجھ گئی۔ اُس نے زنبیل میں ہاتھ ڈال کر کمند کو نکالا اور اُس کا پھندا اُس عورت کی جانب زور سے پھینکا۔ فاصلہ زیادہ تھا مگر کمند میں کرامت تھی۔ بڑھتی ہوئی وُہ تیزی کے ساتھ عورت تک جا پہنچی اور اُسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اِس اچانک مصیبت پر وہ ایسی دہشت زدہ ہوتی کہ چیخ بھی نہ سکی۔ عُمرو نے فوراً سفوفِ بے ہوشی کے ذریعے اُسے ہوش سے محروم کیا۔ خُود اُس کا بھیس بدلا اور دوڑ کر قافلے سے جا مِلا۔ اُسے قریب آتا دیکھ کر ایک عورت پُکاری "اری شگوفہ، تُجھے کیا ہوا؟ کہاں رہ گئی تھی؟"

عُمرو سمجھ گیا کہ وہ جِس عورت کے بھیس میں ہے اُس کا نام شگوفہ تھا۔ اٹھلاتے ہوئے بولا۔ "اے ہوتا کیا۔ تِتلی پکڑنے لگ گئی تھی۔"

یہ سُن کر ہمجولیاں ایک دوسرے کو ٹہوکا مار کے ہنسنے لگیں۔ نقلی شگوفہ جلد ہی اُن میں گھُل مِل گئی۔ تھوڑی دیر بعد اُن لوگوں کی باتوں سے اُسے معلُوم ہو

گیا کہ گھوڑی پر سوار شہزادی شہنشاہ افراسیاب کی بیٹی تصویر جادُو ہے اور دِل بہلانے اپنی پھُو بھی شرارہ جادُو کے پاس جا رہی ہے۔ اُسے ڈھارس ہوئی کہ وہاں ضرور شہزادہ بدیع الزّمان کا کُچھ نہ کُچھ سُراغ مِل جائے گا۔

دِن ڈھلے تصویر جادُو کا جلوس ایک بڑے خُوب صُورت باغ میں جا داخل ہوا۔ ملکہ شرارہ جادُو اپنی کنیزوں کے ساتھ ایک پھُلواری کی سیر کر رہی تھی۔ وہ ادھیڑ عمر مگر خوب صُورت عورت تھی۔ شہزادی تصویر جادُو اسے دیکھتے ہی گھوڑی سے اُتر کر آداب بجالائی۔ شرّارہ نے ہاتھ اُٹھا کر اسے خوش آمدید کہا۔ دونوں آگے بڑھ کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئیں۔ شرّارہ نے تصویر کو باغ کے بیچ میں بنی ہوئی بارہ دری کے آرام دہ صوفے پر لا بٹھایا۔ اس کے حکم پر فوراً سب کو چاندی کے چمکتے ہوئے کٹوروں میں شربت پیش کیا گیا۔ شربت کیا تھا آبِ حیات تھا۔ گھونٹ بھرتے ہی سب کی تھکن دُور ہوئی۔ دِل کو فرحت ملی۔ دماغ خُوش بو سے بس گیا۔

خاطر مدارات کے بعد شرارہ نے شہزادی تصویر سے اُس کے آنے کا سبب پوچھاتو شہزادی نے جواب دیا۔

”عرصے سے میں امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں کے بارے میں بہُت کُچھ سُنتی آئی ہوں۔ مُجھے اُن کے دیکھنے کا بڑا شوق ہے۔ شاید آپ نے امیر حمزہ کے کسی بیٹے کو گرفتار کیا ہے۔ مناسب سمجھیں تو ذرا ایک نظر میں بھی اُسے دیکھ لوں۔“

ملکہ شرارہ نے مُنہ بگاڑ کر کہا ”اے بیٹا، اُن سے دوری اچھّی۔ ہوتا ہی کیا ہے اُن میں جو کوئی دیکھے۔ ہنھ، لڑاکو، خونخوار اور مغرُور۔ خیر تم کہتی ہو تو دِکھائے دیتی ہوں۔“ یہ کہہ کر ملکہ نے ایک کنیز کو اشارہ کیا۔ وہ سر جھُکا کر ایک طرف کو چل دی۔

عُمرو کو یہ اُمّید نہ تھی کہ وہ اِتنی جلدی اور اِتنی آسانی سے شہزادے کے قریب جا پُہنچے گا۔ خوشی سے اُس کا دِل دھڑکنے لگا۔ چند ہی لمحے بعد زنجیروں

اور بیڑیوں کے کھنکنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ملکہ شرارہ کے سوا سب آواز کی طرف نگاہیں جما کر دیکھنے لگے۔ شہزادہ پودوں کے ایک جھنڈ کی اوٹ سے لڑکھڑاتا ہوا آیا اور چبوترے کے نیچے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کے گلے میں بھاری زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ پیر بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ جسم زنجیروں میں لپٹا ہوا تھا اور دو کنیزیں زنجیروں کے سِرے ہاتھوں میں لیے شہزادے کے پیچھے کھڑی تھیں۔ شہزادے کے بال بکھرے ہوئے اور چہرہ زرد تھا۔ عُمرو یہ حال دیکھ کر اندر ہی اندر تلملا اُٹھا۔ لیکن شہزادی تصویر کے دِل پر اِس حال میں بھی شہزادہ بدیع الزّمان کو دیکھ کر اتنا گہرا اثر ہوا کہ اس پر نگاہ ڈالتے ہی وہ بے ہوش ہو گئی۔

شرارہ نے یہ حال دیکھ کر فوراً قیدی کو واپس لے جانے کا اشارہ کیا اور بڑبڑانے لگی۔ "میری بچّی پھول ہے۔ اس مرُدود کو عذاب میں دیکھ کر کملا گئی۔ جلدی سے لخلخہ اور گلاب پاش لاؤ اور اسے ہوش میں لاؤ۔"

کنیزوں نے آناً فاناً اُس کے حکم کی تعمیل کی۔ شہزادی کو ہوش آ گیا تو اسے پیار کرتے ہوئے شرارہ نے کہا۔ "بیٹا، میں اسی لیے منع کرتی تھی۔ خیر اب تم اپنے باغ میں جاؤ۔ آرام کرو اور دِل بہلاؤ۔ یہ لوگ اِسی سزا کے مستحق ہیں۔ اِن کے دُکھ کو دیکھ کر ہرگز دِل میلا نہ کرو۔"

چار و ناچار دِل میں بوجھ لیے شہزادی وہاں سے رُخصت ہوئی۔ اسی موقع پر عُمرو یعنی نقلی شگوفہ نے چُپکے سے شرارہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر درخواست کی۔ "کنیز ناچنے گانے میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ حسرت تھی کہ حضور کی خدمت میں اپنا کمال پیش کروں۔ اگر حضور آج کی رات مُجھے روک لیں تو میری آرزو پوری ہو جائے گی۔"

شرارہ فوراً اس کی بات میں آ گئی اور تصویر سے کہہ کر اُسے روک لیا۔ رات کو محفل جمی تو واقعی نقلی شگوفہ نے دھوم مچا دی۔ اس کے گانوں سے مست ہو کر شرارہ نے اُسے ناچنے کا حکم دیا۔ ناچ میں بھی اُس نے رنگ جمایا کہ ہر ایک

واہ واہ کر اُٹھا۔ خُوش ہو کر ملکہ نے اُسے اپنا ہار انعام میں دیا۔ نقلی شگوفہ نے سلام کر کے ہار رکھ لیا اور پھر ناچنے گاتے شربت کے پیالے بھر بھر کے اہلِ محفل کو پیش کرنے لگی۔ کُچھ دیر بعد اس نے ایک جام بھر کر تیزی سے چکر کھایا اور انتہائی صفائی سے اُس میں سفوفِ بے ہوشی ملا دیا۔ اس کے بعد وہ شرارہ کی طرف بڑھی۔ ملکہ نے پیالہ لینے کے لیے ہاتھ لمبا کیا۔ نقلی شگوفہ نے بھی اپنا ہاتھ آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھایا۔ شرارہ کی ہتھیلی اور اُنگلیوں سے پیالہ ٹکرایا تو اُس نے مُٹھّی مضبوط کرنی چاہی۔ اُسی لمحے عُمرو نے پیالے کو انگوٹھے سے اس طرح اوپر اُچھالا کہ وہ عُمرو کی گرفت سے نِکل کر کئی فٹ بلند ہو گیا۔ شرارہ کے چہرے پر حیرت اور غصّے کے آثار پوری طرح نہ چھا پائے تھے کہ دوسرے ہی لمحے نقلی شگوفہ نے پیالے کو اپنے سر پر روک لیا۔ کمال یہ ہوا کہ ایک قطرہ بھی اُس میں سے نہ چھلکا۔ بے اِختیار ہر ایک کے مُنہ سے واہ واہ نکل گئی۔ شرارہ کی پیشانی کے بل غائب ہو گئے۔ لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ نقلی شگوفہ نے ایک چکر لگایا اور شرارہ کے سامنے دوزانو بیٹھ کر بولی۔

"باادب کنیزیں مالکن کو سر سے جام پیش کیا کرتی ہیں۔" شر ارہ کا دِل باغ باغ ہو گیا۔ فخر کے ساتھ اس نے نقلی شگوفہ کے سر سے پیالہ اُٹھا لیا اور بولی۔ "بس آج سے مرتے دم تک تو میرے ساتھ رہے گی۔ میں تُجھے اپنی خواص بناتی ہوں۔"

"ذرّہ نوازی ہے۔" نقلی شگوفہ نے جھک کر سلام کرتے ہوئے کہا۔ عُمرو کو یقین تھا کہ گھونٹ بھرتے ہی شر ارہ بے ہوش ہو جائے گی اور اُس کے بے ہوش ہوتے ہی وہ خنجر نکال کر اُس کا کام تمام کر دے گا۔ شہزادہ بدیع الزّمان اس کی طلِسمی قید سے خود بخود آزاد ہو جائے گا اور اس مُہم کو اِتنی آسانی سے سر کر کے وہ امیر حمزہ کے سامنے سرخ رُو ہو گا۔

شر ارہ پیالے کو ہاتھ میں سنبھال کر ہونٹوں کے قریب لانے لگی۔ نقلی شگوفہ کا دِل خُوشی سے دھڑکنے لگا۔ لیکن پیالہ شر ارہ کے ہونٹوں تک نہ پہنچ پایا تھا کہ اُس کا سارا شربت شعلہ بن کر اُوپر کو اُڑ گیا۔

شرارہ نے آگ ہو کر خالی پیالہ نقل شگوفہ کے مُنہ پر کھینچ مارااور چلاّئی۔

"پکڑلو اِسے۔ یہ شگوفہ نہیں کوئی دشمن ہے۔ شربت میں زہر ملا کر مجُھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔"

شرارہ کھانے پینے کی ہر چیز پر استعمال کرنے سے پہلے اُس کی اصلیت جانچنے کے لیے ایک خاص جادُو پڑھ کر پھُونکا کرتی تھی۔ اگر کسی چیز میں زہر یا بے ہوشی کی دوا شامل ہوتی تو وہ شعلہ بن کر اُڑ جاتی اور ملکہ ہوشیار ہو جاتی۔ عُمرو اِس بات سے آگاہ نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ خواصوں نے اُسے جکڑ لیا۔ جادُو کے ذریعے شرارہ نے فوراً یہ پتا چلا لیا کہ شگوفہ کے بھیس میں عُمرو عیّار ہے۔ اس نے خواصوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

"لے جاؤ اِسے اور بادام کے بڑے درخت سے کس کر باندھ دو۔ یہ بڑا اہم آدمی ہے۔ شہنشاہ عالی جاہ اِس کے بارے میں کیا حکم دیں گے ویسا ہی کیا جائے گا۔"

عُمرو کو باندھ دیا گیا تو شرارہ نے شُعلہ رُخسار نامی خواص کو شہنشاہ افراسیاب کی خدمت میں عرضی دے کر روانہ کیا۔ سمن عذرا نامی خواص کو عُمرو کی چوکسی کرنے کا حکم دیا اور خُود محفل برخاست کر کے آرام کرنے اپنے بنگلے میں چلی گئی۔

شعلہ جادُو کے زور سے اُڑتی ہوئی تیسرے پہر رات کو افراسیاب کے دربار میں پہنچی اور اس کا حکم نامہ لے کر سورج نکلتے نکلتے واپس آ گئی۔ شرارہ نے حکم نامہ اس کے ہاتھ سے لے کر پہلے سر اور آنکھوں سے لگایا پھر کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا۔

"عُمر کو فوراً قتل کر دیا جائے۔"

یہ حکم پڑھتے ہی شرارہ خواصوں اور کنیزوں کے ساتھ بادام کے اُس درخت کی جانب چل دی جہاں عُمرو بندھا ہوا تھا۔ عُمرو کا چہرہ زرد تھا۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ بے چینی کے ساتھ سر کو دائیں بائیں اُوپر نیچے ہلاتا تھا۔ بار بار مُنہ

کھولنے کی کوشش کرتا تھا مگر زبان سے ایک لفظ بھی نہ نِکلتا تھا۔ شرارہ نے اُسے موت کا حکم سُنایا تو اُس کا بدن بُری طرح پھڑ پھڑانے لگا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ مگر کوشش کے باوجود آواز اُس کے مُنہ سے اب بھی نہ نکلی۔ شرارہ نے تیر انداز کنیزوں کو اشارہ کیا۔ بارہ تِیر ایک ساتھ کمانوں سے نِکلے اور عُمرو کے جسم کو چھیدتے ہوئے درخت میں پیوست ہو گئے۔ عُمرو کے جسم سے خُون کے فوّارے بہنے لگے۔ بدن پر موت کی کپکپی طاری ہو گئی اور آخر کار اُس کا دم نِکل گیا۔

کالی ڈبیا

عُمرو کی موت کا منظر بڑا دردناک تھا۔ کئی نازک دِل خواصیں کانپ کانپ گئی تھیں۔ لیکن شرارہ اُداس ہونے کے بجائے اِس منظر سے لُطف لے رہی تھی۔ اُسے خوشی تھی کہ امیر حمزہ کا بچپن کا یار اور دنیا کا سے بڑا عیّار اس کے ہاتھوں گرفتار ہو کر موت کے گلے لگا۔ پر فخر شہنشاہ افراسیاب کے دربار میں ہمیشہ اُس کا سر اُونچا رکھے گا۔ لیکن یہ فخر اور خوشی کا یہ احساس زیادہ دیر تک نہ رہ سکا۔ عُمرو کی لاش ٹھنڈی ہوئی تھی کہ چاروں طرف گھُپ اندھیرا چھا گیا۔ خوفناک آندھی چلنے لگی، رونے پیٹنے کی صدائیں بُلند ہونے لگیں اور جب یہ شور تھما تو آواز آئی۔

”افسوس کہ سمن عذرا ہلاک ہو گئی۔“

یہ آواز سُنتے ہی شرارہ نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اب جا کر اُسے خیال آیا کہ سمن عذرا کو اس نے عُمرو کی چوکسی کرنے کی ہدایت کی تھی۔ پر جب وہ یہاں آئی تھی تو صرف عُمرو درخت سے بندھا ہوا تھا۔ سمن عذرا غائب تھی اور سمن عذرا کی موت کے اِس جادُوئی اعلان سے صاف ظاہر تھا کہ عُمرو کی شکل میں وہی ہلاک ہوئی ہے۔

بات دراصل یہ تھی کہ آدھی رات گزرنے کے بعد جب باغ میں ہر طرف نیند کا سنّاٹا چھا گیا تھا تو عُمرو نے سمن عذار سے کہا تھا۔ "اے نیک بخت، مانا کہ تو جادُوگر ہے مگر پھر بھی انسان ہے۔ مہربانی کر کے میرے قریب آ اور میری وصیّت سُن۔"

جب وہ قریب آ گئی تو عُمرو نے دردناک لہجے میں کہا: "اے نیک بخت، میری زندگی کے دِن پورے ہو چکے ہیں۔ سورج نکلتے ہی میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ میری وصیّت بس یہ ہے کہ قتل کے بعد جب مُجھے دفنایا جائے تو میری کالی ڈبیا

جو مُجھے جان سے پیاری ہے چُپکے سے میرے نیچے رکھ دی جائے۔ اگر تُو نے میری یہ بات مان لی تو ابھی اِسی وقت میں تُجھے لاکھوں بلکہ کروڑوں کا مال دوں گا۔ نہ مانی تو سمجھ لے پھُوٹی کوڑی بھی تیرے ہاتھ نہ آئے گی۔ یہ سب کُچھ شرارہ لے جائے گی۔"

سمن عذرا کو عُمرو کی یہ باتیں بڑی عجیب لگی تھیں۔ اُس نے خیال کیا کہ شاید موت کی دہشت سے اس کا دماغ چل گیا ہے۔ دِل لگی کی خاطر اُس نے کہا۔ "میاں، میں تُمہاری بات تو مان لوں مگر وہ کالی ڈبیا اور لاکھوں کروڑوں کا مال ہے کہاں؟"

"میری کراماتی زنبیل میں۔" عُمرو نے کہا۔ "وہ میرے کُرتے کے نیچے دائیں کاندھے سے لٹکی ہوئی ہے۔ نکال کر دیکھ لے۔"

اس پر سمن عذرا نے اُس کے کاندھے کو ٹٹول کر دیکھا۔ زنبیل پر ہاتھ لگتے ہی اُس نے خیال کیا کہ لاکھوں کا مال نہ سہی کُچھ نہ کُچھ تو اس میں ضرور ہو گا۔ آخر

کو عیّار آدمی ہے اور زنبیل کو اس طرح چھُپا کر رکھتا ہے۔ بڑی کوشش سے اُس نے زنبیل اُس کے کاندھے سے نکالی۔ مگر ایسا کرنے میں اُسے عُمرو کے کمر سے اُوپر کے بند ڈھیلے کرنے پڑے تھے اور اس کے ایک ہاتھ کو آزاد کرنا پڑا تھا۔

سمن عذرا نے زنبیل میں ہاتھ ڈالا تو مٹر جیسے بہُت سے دانے اُس کی انگلیوں سے ٹکرائے۔ اِن دانوں سے مُٹھّی بھر کر اُس نے ہاتھ باہر نکالا۔ اُس کا دِل خوشی سے اُچھلنے لگا۔ وہ سب سُچّے موتی تھے۔ فرش پر بیٹھ کر اُس نے اپنا دامن پھیلایا۔ موتی اُس میں ڈال دیے اور بے صبری کے ساتھ زنبیل میں سے مُٹھّیاں بھر بھر کے دامن میں ڈھیر کرنے لگی۔ کبھی ہیرے کی جگمگاتی انگوٹھیوں کے گُچھے باہر نکلتے، کبھی جڑاؤ بازو بند، ٹیکے اور دوسرے زیورات۔ لقا کا دیا ہوا ہیرے کا ہار دیکھ کر سمن عذرا کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہو گئی۔ اور وہ اُسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ یہ دیکھ کر عُمرو نے اُسے ڈانٹا۔ ”احمق عورت، حواس کیوں کھو بیٹھی ہے؟ سارا نکالا ہوا مال زنبیل میں ڈال دے۔ گھر پہنچ کر

اِطمینان سے دیکھنا۔ اس میں اِتنا مال ہے کہ تیرا گھر بھر جائے گا پھر بھی زنبیل خالی نہ ہو گی۔ یہ کرامتی زنبیل ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا خزانہ اِس کے اندر سمایا ہوا ہے۔ اب تو ٹٹول کر میری کالی ڈبیا نِکال۔ دِل کو وسوسے میں نہ ڈال۔ یہ سارا مال میں تُجھے خُوشی سے دیتا ہوں۔"

یہ سُن کر سمن عذرا کا دِل اپنی بے صبری پر شرمایا۔ اُس نے اپنے آپ پر قابو پایا۔ سارا نِکالا ہوا مال زنبیل میں ڈالا۔ کالی ڈبیا کو نِکالا اور اُسے غور سے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے عُمرو سے کہا۔ "اے عیّاروں کے عیّار، یہ تو بتا کہ اِس ڈبیا میں کون سی چیز ہے جو تُجھے اپنے سارے مال سے عزیز ہے۔" عُمرو نے ٹھنڈی آہ بھر کر جواب دیا "اے نیک بخت، مُجھ سے وعدہ کر چکی ہے اس لیے بتا دیتا ہوں۔ اس میں انڈے کے برابر ایک اعلیٰ درجے کا ہیرا ہے۔ دنیا کے سارے بادشاہوں کا خزانہ بھی اس کا مول نہیں۔ میں اِسے جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ یہ کسی دوسرے کے قبضے میں جائے۔ خبر دار، کہیں اِس کے لالچ میں نہ آ جانا۔ اسے میری قبر میں رکھنا نہ بھولنا۔

نہیں تو قیامت تک میری روح بے قرار رہے گی۔"

ہیرے کی یہ تعریف سُن کر سمن عذرا کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ وہ اُسے دیکھنے کے لیے بے چین ہو گئی۔ اُس نے بہتیرا زور لگایا مگر ڈبیا کا ڈھکن اُس سے نہ کھُل پایا۔ اُس نے عُمرو کی منّت کی۔ "بس ایک نظر یہ ہیرا کھول کے مُجھے دکھا دے۔ میں قسم کھاتی ہوں کہ اپنے وعدے پر قائم رہوں گی۔"

"اچھا، میرا دوسرا ہاتھ کھول دے۔" عُمرو نے کہا۔ "مگر خبر دار اِس کا لالچ ہرگز دِل میں نہ آنے دینا۔ میرے سوا دنیا کا کوئی بھی آدمی اِس ڈبیا کو نہیں کھول سکتا اور ایک ہاتھ سے میں بھی نہ کھول سکوں گا۔"

سمن عذرا لالچ میں اندھی ہو گئی۔ جھٹ پٹ اُس نے عُمرو کا دوسرا ہاتھ بھی آزاد کر دیا۔ عُمرو کُچھ زور لگاتا رہا۔ پھر سمن عذرا کی آنکھوں کے قریب کھول کر بولا "لے دیکھ۔"

ڈبیا کا ڈھکنا کھُلتے ہی ایک تیز بُو اُس میں سے نِکل کر سمن عذرا کی ناک میں

گئی۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر سفوفِ بے ہوشی اپنا کام کر چُکا تھا۔ اُس نے ایک چھینک لی اور بے ہوش ہو کر دھڑام سے فرش پر گر پڑی۔ عُمرو نے جلدی جلدی خُود کر رسّیوں سے آزاد کیا، سمن عذرا کی صورت بالکل اپنی جیسی بنائی، اپنا لباس اُسے پہنایا اور اُسے درخت سے کس کر باندھ دیا۔ آخر میں اُس نے ایک دوا کے ذریعے سمن عذرا کی زبان بھی تالو سے چپکا دی تا کہ نہ وہ جادُو کر سکے اور نہ کسی سے ایک لفظ بول سکے۔

یہ کاروائی کر کے عُمرو وہاں سے کھِسک گیا اور باغ کی ایک بوڑھی مالن چمپا کو ٹھکانے لگا کر اُس کے بھیس میں اُس کے جھونپڑے میں جا کر پڑ رہا۔ یوں سمن عذرا عُمرو کے دھوکے میں ماری گئی۔

شرارہ نے غضبناک ہو کر اپنی کنیزوں سے کہا۔ "میں سمجھ گئی۔ یہ سب عُمرو کی حرکت ہے۔ وہ مونڈی کاٹا ضرور یہیں کہیں ہو گا اور تُم ہی میں سے کسی نہ کسی کا بہروپ بنا رکھا ہو گا۔ فوراً کوئی مال خانے جائے وہاں سے جادُوئی کڑے والا

صندوقچہ اُٹھالائے۔ میں سب کا امتحان لُوں گی؟"

یہ کہہ کر شرارہ سب کو ساتھ لے کر اپنے بنگلے کے برآمدے میں آئی۔ ایک خواص جاکر صندوقچہ لے آئی۔ ملکہ نے صندوقچہ کھول کر جادوئی کڑا نکالا اور باری باری ہر کنیز کے ہاتھوں میں ڈال کر آزمائش کرنے لگی۔ اُس کڑے کی خاصیت یہ تھی کہ جو بھی کسی دوسرے کے بہروپ میں ہوتا یا جھُوٹ بولتا کڑا اُس کے دونوں ہاتھوں کو مضبوطی سے جکڑ لیتا لیکن جِس میں کوئی کھوٹ نہ ہوتا اُس کے ہاتھوں سے آسانی سے نِکل آتا۔

جب ساری خواصوں اور کنیزوں کی آزمائش ہو چکی اور کڑے نے کِسی کو گرفت میں نہ لیا تو شرارہ نے باغ کی ساری مالنوں اور خادماؤں کو بُلایا۔ اُن میں سے ایک ایک کے ہاتھوں میں کڑا پہنایا مگر کڑا سب کے ہاتھوں سے نکل آیا۔ اس نے جھنجلا کر سب کو چھُٹی دے دی۔ کڑا مال خانے واپس بھجوا دیا اور خُود اُداس ہو کر مسہری پر لیٹ رہی۔

باغ کی مالنیں اپنی جھونپڑیوں میں واپس ہوئیں تو اُنہوں نے چمپا کو اپنی کھاٹ پر پڑا پایا۔ سب اُس کو لعنت ملامت کر کے ڈرانے لگیں کہ "سب گئے، پر تُو کیوں نہ گئی۔ اب تجھی پر شک کیا جائے گا۔ تیری وجہ سے ہم پر بھی عتاب آئے گا۔"

نقلی چمپا سمجھ گئی کہ اب جائے بغیر جان نہ چھوٹے گی۔ بُرا سا مُنہ بنا کر اور سب کو جلی کٹی سُناتی اُٹھی اور لٹھیا ٹیکتی شرارہ کے بنگلے کی طرف چل دی۔ مالنیں پُکارتیں۔ "بڑی امّاں، اب وہاں جاؤ تو کڑے والا صندوقچہ خُود لیتی جانا۔ شرارہ نے سب کو چھُٹی دے رکھی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد نقلی چمپا جادُوئی کڑے والا صندوقچہ اُٹھائے شرارہ کی آرام گاہ میں پُہنچی۔ بُڑھیا کی آہٹ سُن کر شرارہ غصّے سے بڑبڑاتی ہوئی اُٹھی۔ بڑھیا ادب سے ہاتھ جوڑ کر دُعائیں دینے لگی۔ شرارہ نے ڈانٹتے ہوئے کہا "موئی کھوسٹ، تیری شامت آگئی ہے جو یوں گھستی ہوئی اندر چلی آئی ہے۔ بول

تُجھے کس نے بھیجا ہے؟"

نقلی چمپا نے گردن نیچی کر کے کڑے والا صندوقچہ آگے بڑھاتے ہوئے کہا "سرکار میں بیمار ہوں۔ رات ایک پل آنکھ نہ لگی۔ صُبح کو البتہ جھپکی آگئی۔ اب سُنا کہ حضُور نے سب کا امتحان لیا ہے۔ سو خوف سے چلی آئی۔ ساری زندگی خدمت میں گزر گئی۔ اب مرنے دم کسی امتحان سے کیوں مُنہ چھپاؤں؟"

"بس ہو چُکا امتحان۔ عُمرو کہیں چھُپ گیا ہے یا بھاگ گیا ہے۔ جا لے جا صندوقچہ۔ مال خانے میں رکھ دے۔ اب میں جادُو کے بھُوت بُلاؤں گی۔ وہی اُس کا پتا لگا کر پکڑ لائیں گے۔" شرارہ نے بُڑھیا کو واپس جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

بڑھیا بولی "نہیں سرکار۔ ایسا مت کیجئے۔ آپ کا دِل صاف ہے مگر دوسرے سب مُجھ پر شک کریں گت۔ بس ایک ہی مِنٹ کی تو بات ہے۔ امتحان لے لیجئے پھر میں چلی جاؤں گی۔"

شرارہ کا دِل نہیں چاہتا تھا مگر بڑھیا کی ضِد سے مجبور ہو کر اُس نے صندوقچہ اُس کے ہاتھ سے لے لیا۔ بُڑھیا نے اپنے دونوں ہاتھ بُلا کر شرارہ کے سامنے کر دیے۔ شرارہ نے جادُوئی کڑا نکالنے کے لیے صندو قچے کو ڈھکّن کھولا مگر کڑے کے بجائے صندو قچے میں سے ایک تیز پھوہار نکل کر اُس کے چہرے پر لگی اور تیز بُو ناک کے ذریعے پھیپھڑوں میں جا داخل ہوئی۔ اُس نے ایک چھینک لی۔ دوسرے ہی لمحے صندوقچہ اُس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر فرش پر گِرا اور وہ خود بے ہوش ہو کر پلنگ پر ڈھیر ہو گئی۔

نقلی چمپا یعنی عُمرو نے مال خانے سے صندوقچہ لاتے ہوئے اُس کے اندر سفوفِ بے ہوشی رکھ دیا تھا۔ شرارہ کے بے ہوش ہوتے ہی عُمرو نے خنجر نکالا اور پے در پے وار کر کے اُس کا کام تمام کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اندھیرا ہو گیا۔ آندھی چلنے لگی۔ رونے پیٹنے کی صدائیں بُلند ہونے لگیں اور جب یہ شور تھما تو آواز آئی۔

”آہ! مُجھے ہلاک کیا۔ میرا نام شرارہ جادُو تھا۔“

اندھیرا چھٹنے پر جب عُمرو نے اِرد گرد نگاہ کی تو نہ وہاں شرارہ کی آرام گاہ کا نام و نشان تھا نہ بنگلے کا۔ ہاں کنیزیں اور خادمائیں ضُرور روتی پیٹتی اِدھر سے اُدھر بھاگ رہی تھیں۔ عُمرو شہزادہ بدیع الزّمان کو تلاش کرنے لگا۔ چونکہ شہزادہ طِلسمی زنجیروں اور طِلسمی قید خانے میں بند تھا اِس لیے جونہی شرارہ نے دم توڑا جادُو کا اثر جاتا رہا اور وہ آزاد ہو گیا۔ عُمرو کے بارے میں اُسے کُچھ معلُوم نہ تھا مگر جب طِلسم تباہ ہوا تو وہ سمجھ گیا کہ ضُرور یہ کسی اپنے ہی آدمی کا کارنامہ ہے۔ آزاد ہوتے ہی وہ اُس کو ڈھونڈنے لگا۔ شرارہ کو قتل کرنے کے بعد عُمرو اپنی اصلی حالت میں آ گیا تھا۔ زیادہ دیر نہ گُزری تھی کہ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔ بڑے جوش کے ساتھ ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور طِلسم فتح ہونے پر خُدا کا شکر ادا کرنے لگے۔ اِتنے میں ایک جانب سے ایک بُہت بڑا بگولا چکر کھاتا ہوا آیا اور شرارہ کی لاش اُڑا کر ایک طرف کو جانے لگا۔ عُمرو نے شہزادے سے کہا:

”جلدی یہاں سے نکل چلو۔ بگولا شرارہ کی لاش لے کر افراسیاب کے پاس جا رہا ہے۔ اُسے دیکھتے ہی افراسیاب ہمیں گرفتار کرنے کے لیے کسی جادُوگر کر بھیجے گا۔ بہتر یہی ہے کہ ہم اُس سے پہلے ہی اُس کی سرحد سے باہر نکل جائیں۔“

”بے شک آپ چلے جائیں؟“ شہزادے نے جوش سے کہا ”مگر میں شہزادی تصویر کر ایک نظر دیکھے بغیر ہرگز واپس نہ جاؤں گا۔“

عُمرو کُچھ دیر شہزادے کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔ ”خیر، تمہاری یہی مرضی ہے تو یہی سہی۔ میں امیر سے تُمھیں ساتھ لانے کا وعدہ کر آیا ہوں۔ اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔“

اتنے میں ملکہ شرارہ کی کنیزوں کا ایک غول بھاگتا نظر آیا۔ عُمرو چھلانگیں مارتا اُن کے سامنے جا کھڑا ہوا اور خنجر ہوا میں لہراتا ہوا چلّایا ”کان کھول کر سُن لو، میرا نام عُمرو ہے۔ تمہاری ملکہ کر میں نے قتل کیا ہے۔ تم میں سے کوئی

میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں جا سکتا۔ جان بچانی ہو تو ہمیں فوراً شہزادی تصویر کے پاس لے چلو۔ ورنہ ایک ایک کو قتل کر دوں گا۔"

یہ دھمکی کام کر گئی۔ کنیزوں نے ہاتھ جوڑ کر وعدہ کیا اور ایک طرف کو چل کھڑی ہوئیں۔ شہزادہ بدیع الزّمان اور عُمرو ان کے ساتھ ہو لیے۔ کوئی ایک گھنٹے کے بعد وہ ایک خُوب صورت باغ میں جا پُہنچے۔ باغ کے بیچوں بیچ ایک بڑا تالاب تھا اور تالاب کے بیچ میں ایک چھوٹا سا بنگلہ تھا جس تک پہنچنے کے لیے چار جانب چار جنگلے دار پُل بنے ہوئے تھے۔ اتفاق کی بات، جب یہ لوگ باغ میں داخل ہوئے تو شہزادی سامنے والے پل کے سِرے پر کھڑی کُچھ سوچ رہی تھی۔ اچانک جو اُس نے لوگوں کی آہٹ پائی تو تیوریوں پر بل پڑ گئے مگر جیسے ہی اُس نے شرارہ کی کنیزوں کے پیچھے ایک اجنبی آدمی کے ساتھ شہزادہ بدیع الزّمان کو آن بان کے ساتھ اپنی طرف آتا دیکھا تو اُس کی باچھیں کِھل گئیں۔ بے تحاشا اُس کی طرف دوڑنے لگی۔ یہ دیکھ کر شرارہ کی کنیزیں ایک جانب کو ہٹ کر کھڑی ہو گئیں۔ اب اس طرف بدیع الزّمان کو بھی جوش آ

گیا۔ وہ بھی شہزادی کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ شہزادی ابھی پل کے درمیان تک پہنچی تھی کہ شہزادہ دروازے سے گُزر کر کئی گز تک پل پار کر گیا۔ مگر عین اِسی موقع پر نیچے تالاب کے پانی میں زبردست ہچکولے پیدا ہوئے، ایک ہولناک دیو اُچھل کر پُل پر آیا اور شہزادہ بدیع الزّمان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ شہزادے نے غُصّے میں آکر تلوار کھینچ لی۔ دیو نے جھپٹ کر شہزادے کو دبوچنا چاہا مگر شہزادے نے اُچھل کر دونوں ہاتھوں سے ایسی تلوار اُس کے سر پر ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر تالاب میں جا گرا۔ شہزادی یہ منظر دیکھ کر سہم گئی تھی۔ دیو کے ہلاک ہوتے ہی سنبھلی اور آگے بڑھنے لگی۔ شہزادے نے شہزادی بھی قدم آگے بڑھائے۔ مگر اچانک پھر وہی دیو پانی سے نکل کر اُس کے سامنے آڈٹا۔ شہزادے نے اسے پھر دو ٹکڑے کر دیا۔ مگر چند لمحے بعد وہ پھر چیختا چنگھاڑتا شہزادے کے سامنے تھا۔ اسی وقت شہزادی تصویر کی دائی بنگلے سے بھاگتی ہوئی اُس کی طرف آئی۔ وُہ شہزادہ بدیع الزّماں اور دیو کی لڑائی پہلے سے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں تین تیر تھے۔ اُس نے

شہزادی سے کہا: ”یہ دیو تیری حفاظت کے خیال سے شہنشاہ طلِسم نے مقرّر کیا ہے۔ اگر سات بار اِسی طرح قتل ہوتا رہا تو پھر اِس کے بعد دُنیا کی کوئی طاقت اِسے ہلاک نہ کر سکے گی۔ اِس کی موت صرف اِن تین تیروں سے مُمکن ہے۔ اگر یہ تینوں تیر بھی اِس کو نہ لگے تو پھر یہ دیو کبھی نہ مرے گا۔“

اس عرصے میں شہزادہ بدیع الزّمان پانچ بار اُس دیو کر قتل کر چُکا تھا۔ شہزادی نے دائی کے ہاتھ سے تیر لے کر شہزادے کی طرف اُچھال دیے اور زور سے چلائی:

”یہ دیو ان تیروں سے ہلاک ہو گا۔“ شہزادے نے چاہا کہ تیر اُٹھائے مگر دیو پھر اُس کے سر پر موجود تھا۔ اِس بار اُس نے شہزادے کو خاصی دیر تک جھکائیاں دیں مگر آخر کار قتل ہوا۔ اب جا کے شہزادے کو تیر اُٹھانے کی فرصت ملی اور وہ تیر کمان میں جوڑ کر دیو کا انتظار کرنے لگا۔

دیو کے سامنے آنے میں بالکل دیر نہ لگی۔ اس بار وہ پہلے سے کئی گنا زیادہ

چنگھاڑ رہا تھا۔ شہزادے نے اُس کی پیشانی کا نشانہ لیا اور تیر چھوڑ دیا۔ دیو نے فوراً دائیں جانب سر کو جھٹک کر ڈبکی لگائی۔ نشانہ خطا ہو گیا۔ شہزادی تصویر اور اس کی دائی کا کلیجا دھک سے رہ گیا۔ یہ ساتواں مقابلہ تھا اور ایک تیر خالی جا چکا تھا۔ شہزادے نے پیچھے اُچھل کر دوسرا تیر کمان میں جوڑا اور دیو کے دِل کا نشانہ لے کر داغ دیا۔ یہ کام اُس نے اِتنی تیزی سے کیا کہ دیو اپنا بچاؤ نہ کر سکا۔ تیر اُس کے سینے کے پار ہو گیا اور وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر آگے کو جھُکا۔ اِسی لمحے شہزادے نے اس کے سر کا نشانہ لے کر آخری تیر بھی کھینچ مارا۔ یہ تیر اُس کے تالو میں سے ہو کر حلق تک جا اُترا۔ دم کے دم میں آندھی چلنے لگی۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور اُس کے بعد آواز آئی:

"افسوس کہ محافظ جادُو مارا گیا۔"

شہزادہ اور شہزادی نے آگے بڑھ کر ایک دوسرے سے گرم جوشی کے ساتھ مصافحہ کیا اور پھر شہزادی نے شہزادے کو خوش آمدید کہتے ہوئے بنگلے میں

ٹھہرنے کی دعوت دی۔ وہ ابھی جواب میں کُچھ نہ کہہ پایا تھا کہ شہزادی کی دائی بول اُٹھی ”نہیں بیٹا۔ اگر تم شہزادے کی خیریت چاہتی ہو تو اِسے یہاں نہ روکو۔ محافظ جادُو کی موت کی خبر تھوڑی دیر میں شہنشاہ افراسیاب کو مل جائے گی۔ وہ شہزادے کو گرفتار کرنے کے لیے جادُوگر بھیجے گا۔ بہتر یہ ہے کہ یا تو تم خود اس کے ساتھ چلی جاؤ۔ یا پھر اِسے یہاں سے روانہ کر دو۔ اسی میں تم دونوں کی بھلائی ہے۔“

شہزادی نے چند لمحے سوچا پھر شہزادے سے بولی ”کیا تم مُجھے اپنے ساتھ لے چلوگے؟“

”سر آنکھوں پر۔“ شہزادے نے جواب دیا۔ اس کے بعد دونوں نے دائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اجازت چاہی۔ دائی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بہہ نِکلی۔ دُعائیں دیتے ہوئے اُس نے اُنہیں رُخصت کیا۔ وہ دونوں پل سے گزر کر عُمرو سے جا ملے۔ عُمرو نے سُچّے موتیوں کا ایک ہار زنبیل سے نکال کر

شہزادی کے گلے میں ڈالا۔ اس پر شہزادے نے چوٹ کی۔

"تصویر، دنیا کی سب سے زیادہ خُوش قسمت ہستی ہو۔ چچا عُمرو کی جانب سے کِسی کو کُچھ قسمت ہی سے ملتا ہے۔"

عُمرو نے شہزادے کو جھڑکتے ہوئے کہا "اچھا بس تیز تیز چلو۔ زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ ایسا نہ ہو ساری خُوشی خاک میں مل جائے۔" یہ کہہ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگا شہزادہ اور شہزادی بھی پیچھے ہو لیے۔

عُمرو نے جوش میں آ کر ہار تو شہزادی کو دے ڈالا اب پچھتا رہا تھا۔ لینے کے بجائے دینے میں اُسے ہمیشہ بڑی تکلیف ہوا کرتی تھی۔ اس تکلیف سے نجات پانے کے لیے اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ شہزادے سے ہار کی رقم کس طرح وصُول کی جائے۔ اچانک کُچھ سوچ کر اُس نے اپنی رفتار بڑھا دی۔ شہزادہ شہزادی اس کا ساتھ نہ دے سکے تو وہ بڑبڑانے لگا۔ تنگ آ کر شہزادے نے اس سے کہا۔ "چچا ہم سے پیدل نہیں چلا جاتا۔ کہیں سے گھوڑے کا بندوبست

کر دیجئے۔ آپ کی رفتار کا ساتھ دینا ہمارے بس سے باہر ہے۔"

"دیکھو میاں!" عُمرو نے کہا" یہاں قریب ہی ایک گھوڑا بکاؤ ہے مگر مالک تین لاکھ روپے مانگتا ہے۔ ہامی بھرو تو لے آؤں۔ دُوسری صُورت میں پیدل ہی چلنا پڑے گا۔"

"غضب کر دیا۔" ایک گھوڑے کے تین لاکھ۔"شہزادہ بولا۔ "خیر، جب اور کوئی وسیلہ نہیں تو اُسی کو لے آؤ۔ مگر تم جانتے ہو کہ اس وقت میرے پاس روپے نہیں ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔" عُمرو نے کاغذ اور قلم دوات زنبیل سے نکال کر شہزادے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں تُم پر بھروسا کرتا ہوں۔ تم تین لاکھ کا رقعہ میرے نام لکھ دو۔ میں اپنی کوئی چیز دے کر گھوڑا لے آؤں گا۔ اور پھر لشکر میں پہنچ کر تُم سے وصُول کر لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" شہزادے نے ہامی بھرتے ہوئے کہا۔ اور رقعہ لکھ کر عُمرو کو

دے دیا۔ عُمرو نے رقعہ سنبھال کر ایک سمت دوڑ لگائی۔ اوٹ میں پہنچ کر زنبیل سے ایک گھوڑا ساز و سامان سے آراستہ نکالا اور پھر اس کی لگام پکڑے ہوئے واپس شہزادے کے پاس پلٹا۔ شہزادہ شہزادی دنوں اُس پر سوار ہوئے۔ عُمرو نے لشکر گاہ کی سمت مُنہ کر کے دوڑنا شروع کر دیا۔ شہزادے نے گھوڑا عُمرو کے پیچھے لگا دیا۔ قریب تھا کہ وہ طلِسم ہوش رُبا کی سرحد پار کر جاتے کہ اچانک ایک پہاڑ سا اژدھا مُنہ پھاڑے اُنہیں اپنے سامنے نظر آیا۔ عُمرو تو عیّاری کی چادر اوڑھ کر پھُرتی سے سامنے سے ہٹ گیا مگر اژدھے نے جو سانس گھسیٹی تو شہزادہ شہزادی گھوڑے سمیت اس کے مُنہ کے اندر چلے گئے۔ عُمرو یہ حال دیکھ کر بے بسی سے چیخ پڑا اور کنکر اور پتھر اُٹھا اُٹھا کر اژدھے کے مُنہ پر مارنے لگا۔

بے دھڑ کا بھُوت

شہزادے اور شہزادی کو نگل لینے کے بعد اژدھے نے زبان لپ لپائی۔ اُسی موقعے پر اُس کے مُنہ سے آواز آئی۔ ”اے عُمرو، تو چاہے جہاں ہو۔ بچ کر نہیں جا سکتا مگر مُجھے حکم ہے کہ تُجھے جانے دوں۔ اس لیے چھوڑ تا ہوں۔ میرا نام اژدھا جادُو ہے۔ شہنشاہ افراسیاب کا ادنیٰ غلام ہوں۔ امیر حمزہ سے جا کر کہہ دینا کہ خبردار طِلسم ہوش رُبا میں داخل نہ ہونا ورنہ انجام شہزادہ بدیع الزّمان سے بھی بُرا ہو گا۔ تُجھ سے یہی کہنا تھا۔ اب تو جا سکتا ہے۔“ یہ بات ختم کرتے ہی وہ خوفناک اژدھا غائب ہو گیا۔

عُمرو کی سمجھ میں کُچھ نہ آیا کہ اژدھے کو زمین نِگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ چار و ناچار اس نے لشکر گاہ کی راہ لی۔ کُچھ دُور جانے پر اُس کے کانوں میں دو مُختلف

سمتوں سے اعلانِ جنگ کے نقّاروں کی آوازیں آنے لگیں۔ اُسے خیال گُزرا کہ شاید سُلیمان عنبریں نے لشکرِ امیر کا راستہ روکنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس نے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ اپنے لشکر کے قریب پہنچ کر اُس نے دیکھا کہ مُخالف سمت کی پہاڑیوں اور بُلندیوں پر ایک زبردست فوج خیمہ زن ہے۔ امیر حمزہ کی خدمت میں پہنچ کر اُس نے سارا حال ملکہ شرارہ، شہزادہ بدیع الزّمان اور شہزادی تصویر کا بیان کیا۔ اس پر کُچھ سرداروں نے مشورہ دیا کہ فوراً کسی کو شہزادہ بدیع الزّماں کی رہائی اور طلِسم ہوش رُبا کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا جائے مگر امیر نے جواب دیا۔

"پہلے ہیں اِس سامنے آنے والی فوج سے نپٹنا چاہیے اس کے بعد ہی دوسری مُہم پر توجّہ دی جائے گی۔"

"یہ فوج اچانک کہاں سے آگئی۔ جب میں یہاں سے روانہ ہوا تھا اُس وقت تو اِس کا کوئی نشان نہ تھا۔" عُمرو نے سوال کیا۔

"یہ سُلیمان عنبریں کی فوج ہے۔" امیر نے جواب دیا۔

"لقا، فرامُرز اور بختیارک اس میں موجود ہیں۔ ہماری آمد کی اِطّلاع پا کر اُنھوں نے پیش قدمی کی ہے۔ اپنے دوست بادشاہوں سے اُنھیں مدد کی بڑی اُمّیدیں ہیں۔ یہاں جم کر ہمارا مُقابلہ کرنے کا اِرادہ رکھتے ہیں۔ عُمرو کو یہ جواب دے کر امیر حمزہ اپنے سرداروں کو ہدایات دینے لگے اور سب لوگ جنگی تیّاریوں میں لگ گئے۔"

اب دوسری جانب کا حال سُنئے۔ طِلسم ہزار شکل سے بھاگ کر جب لقا کوہ عقیق کی سرحد پر پہنچا تھا تو سُلیمان عنبرین نے بڑے تپاک سے اُس کا استقبال کیا تھا اور اسے قلعے کے سب سے شاندار محل میں ٹھہرا کر اس کی خدمت و اطاعت اختیار کی تھی۔ امیر کی طاقت اور سرکشی کا حال سُن کر اُسے بڑا طیش آیا تھا۔ چنانچہ ایک دِن اُس نے ملک میں عام لام بندی کا حکم جاری کیا اور دوسری طرف لقا کے وفادار سارے بادشاہوں کو مدد دینے کے لیے خطوط

روانہ کیے۔ اِن خطوں کا مضمون یہ تھا۔

"خداوندِ لقا کے اکی سرکش بندے امیر حمزہ نامی نے بغاوت کی ہے۔ خواب میں خداوند نے اُسے جو طاقت بخشی ہے اُسے واپس لینا وہ اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں مگر اس سے بیزار ہیں اور میرے قلعے میں تشریف رکھتے ہیں۔ اب وہ اپنے وفادار بندوں کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ یہ میرا اور تمہارا فرض ہے کہ ہم اپنی وفاداری اور بندگی کا ثبوت دیں۔ خُداوند کے سر سے امیر حمزہ کی فکر دُور کریں۔ یہ خط دیکھتے ہی خُود آؤ یا اپنے بہادُر سردار، جادُوگر اور لشکر بھیجو۔ دُشمن بڑھتا چلا آرہا ہے۔ دیر اور سُستی بالکل نہ کرو۔"

ایسا ہی ایک خط اس نے شہنشاہ طلِسم ہوش رُبا افراسیاب جادُو کو بھی بھجوایا تھا۔ سرحد اُس کی سُلیمان کے مُلک سے مِلی ہوئی تھی۔ افراسیاب زبردست جادُوگر تھا۔ اس کی ٹکّر کا دوسرا کوئی بادشاہ اس حصّہٴ زمین پر نہ تھا۔ اُس کی سلطنت میں ساٹھ ہزار مُلک جادُوگروں اور جادُوگرنیوں کے تھے اور سب

دِل و جان سے اُس کی اطاعت اور فرماں برداری کا دم بھرتے تھے۔

افراسیاب کا طِلِسم تین حصّوں میں تقسیم تھا۔ ایک پردۂ ظُلمات کہلاتا، دوسرا طِلِسم باطن اور تیسرا طِلِسم ظاہر۔ پردۂ ظُلمات میں اُس کے بزُرگ جیسے ماہی زمرّد رنگ اور آفات چہار دست وغیرہ رہا کرتے تھے۔ طِلِسم باطن اس کے امیروں، وزیروں، اعلیٰ سرداروں اور بیگمات ملکۂ حیرت وغیرہ کی رہائش گاہ تھا اور طِلِسم ظاہر میں رعایا رہتی تھی۔ ظاہر اور باطن طِلِسموں کے درمیان ایک جادُوئی دریا تھا جو دریائے خون کہلاتا تھا۔ اس کے اُوپر دُھویں کا ایک پُل بنا تھا جس پر دو شیر دھاڑتے رہتے تھے۔ پُل کے درمیان ایک تین منزلہ عمارت کی پہلی منزل پر بہُت سی پریاں بیٹھی شہنائی بجاتی رہتی تھیں۔ دوسری منزل سے انہی جیسیوں کا ایک غول دریا میں مُٹھّی بھر بھر موتی اُچھالا کرتا تھا جنہیں نیچے گِرتے ہی مچھلیاں اُچک لیتی اور مُنہ میں دبائے گھومتی پھرتیں۔ آخری منزل پر لمبے تڑنگے حبشیوں کے دو گروہ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے شمشیر زنی کرتے رہتے۔ زخمیوں کا خون پیالے میں سے ہو کر

ہر طرف دریا میں گر تا رہتا اور یوں بہتے ہوئے خُون سے دریا ہر وقت بھرا رہتا۔ پُل کے بعد طِلسم باطن کی حد شروع ہو جاتی۔ جس کے اندر چپّے چپّے پر خوب صُورت باغات اور عمارتیں تھیں۔ افراسیاب عموماً باغِ سیب میں رہائش رکھتا اور وہیں دربار لگایا کرتا تھا۔

جس وقت سُلیمان عنبریں کا خط افراسیاب کی خدمت میں پہنچا، وہ اِسی باغ سیب میں دربار جمائے ہوئے تھا۔ کئی ہزار کُرسیاں اور مونڈھے درجہ بدرجہ اس کے سامنے بچھے تھے جن پر نامور جادُوگر، جادُوگرنیاں، وزیر اور امیر بیٹھے تھے۔ تخت کے نیچے ایک جانب فولاد کے اور دوسری جانب مٹّی کے پُتلوں کی قطاریں تھیں۔ بظاہر وہ کھلونے لگتے تھے مگر آفت کے پر کالے تھے۔ افراسیاب کے اشارے پر حرکت کرتے تھے۔ جادُو کے زور سے رُستم و سہراب سے بھی زیادہ بہادُری کے ساتھ جنگ کرتے تھے اور وہ جسے حکم دیتا اُٹھالاتے تھے۔ تخت پر اُس کے بائیں جانب ایک کتاب رکھی تھی جس کا نام کتابِ سامری تھا۔ افراسیاب جس چیز اور جِس آدمی کے بارے میں جو کُچھ

جاننا چاہتا کتاب میں سارا حال اُس کا لکھا جاتا۔ دائیں جانب اُس کی چہیتی ملکہ حیرت جادُو بیٹھی تھی۔ جادُو گری اور عیّاری میں افراسیاب کے بعد اُسی کا نمبر تھا۔

سُلیمان عنبریں کا خط پڑھ کر افراسیاب کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ فوراً کاغذ قلم منگا کر اپنے ہاتھ سے اُس نے جواب میں سلیمان کو لکھا، میں خُداوند کا شکر گزار ہوں کہ اُنہوں نے مُجھے اپنی خدمت کے قابل سمجھا۔ خُوب سمجھتا ہوں کہ اِس سے اُن کا مطلب صرف اپنے پیارے اور وفادار بندوں پر عنایت کرنا ہے۔ میں ہر طرح حاضر ہوں، ایک نامور جادُوگر کو چالیس ہزار جادُوگروں کے ساتھ جلد بھیج رہا ہوں۔ اطمینان رکھو۔ وہ پہنچتے ہی امیر حمزہ اور اُس کے لشکر کو غارت کر کے خُداوند کے رُوبرُو مُجھے سُرخرو کریں گے۔"

یہ خط لکھ کر افراسیاب نے اپنے ہاتھوں سے اُسے چاندی کی نلکی میں بند کیا اور نلکی کو جادُوئی پنجے کے سامنے، جو تخت کے سامنے تھا، اُچھالا۔ پنجے نے فوراً

اُسے اپنی گرفت میں لیا اور پھر بُلند ہوتا ہوا غائب ہو گیا۔ سُلیمان کے ساتھ اُس کی خط و کتابت کا ذریعہ خاص طور پر یہی پنجے تھے۔ جب سُلیمان کو اُس کے پاس خط بھیجنا منظور ہوتا تو وہ خط کو اُس سرحدی پہاڑ کی بلندی پر پُہنچا دیتا جو اس کے اور افراسیاب کے ملکوں کے بیچوں بیچ تھا۔ اس پہاڑ پر جادُو کا ایک بڑا نقّارہ اور چوب رکھی ہوتی۔ خط کو یہاں رکھ کر جب نقّارے پر چوٹ ماری جاتی تو افراسیاب تک یہ آواز پہنچ جاتی۔ وہ پنجہ بھیج کر خط منگا لیتا۔ اسی طرح افراسیاب کو ہر خط سلیمان تک پہچانا ہوتا، اُس کا جادُوئی پنجہ وہ خط اس تک پہنچا دیتے۔

افراسیاب کا خط پاتے ہی سلیمان، لقا اور فرامُرز بختیارک کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اُنہوں نے فوراً قلعے سے نکل کر امیر حمزہ کا راستہ روکنے کا فیصلہ کیا۔ اسی فیصلے کے مطابق وہ سب لاؤ لشکر کے ساتھ امیر حمزہ کے لشکر گاہ کے سامنے کی پہاڑیوں اور بلندیوں پر آکر خیمہ زن ہو گئے تھے اور بڑے دبدبے کے ساتھ اعلانِ جنگ کے نقارے بجوا رہے تھے۔ اُن کا ارادہ تھا کہ جیسے ہی افراسیاب کا

بھیجا ہوا جادُوگروں کا لشکر اُن کی مدد کو آ پہنچے گا، وہ امیر حمزہ سے جنگ چھیڑ دیں گے۔

عمرو کی واپسی کے دوسرے دِن امیر حمزہ نے اُس سے کہا "خواجہ جی دشمن کو یہاں ڈیرہ ڈالے تین دن ہو چکے ہیں۔ فوج اور سامان کی کمی نہ ہوتی تو میں خُود اپنے لشکر کو اُن پر دھاوا بولنے کا حکم دیتا مگر اُنہیں کیا ہو گیا ہے، جنگ شروع کرنے کے بجائے فقط نقّارے بجا رہے ہیں۔ ذرا جا کر پتا تو کرو کیا مُعاملہ ہے؟ جب تک اُن کا صحیح حال اور تعداد معلُوم نہ ہو جائے اُن کے خلاف کوئی قدم اُٹھانا مُناسب نہ ہو گا۔"

اگر عُمرو شہزادہ بدیعُ الزّمان کو بخیر و عافیت اپنے ساتھ لے آیا ہوتا تو شاید اس موقع پر ضرور امیر حمزہ سے کسی نہ کسی بہانے کچھ رقم اینٹھنے کی کوشش کرتا مگر ناکامی کا داغ اُس کی پیشانی پر تھا بغیر کسی حُجّت کے فوراً تیّار ہو گیا۔ اپنے خیمے میں جا کر عیّاری کا سامان درست کیا۔ صُورت اور حُلیہ گھوڑوں کے

ولایتی سوداگر جیسا بنایا اور لشکر سے نکل کر سُلیمان عنبری کی چھاؤنی کی راہ لی۔ اس نے ایک بُلندی پر دُوسروں سے زیادہ بڑے اور اونچے شامیانے دُور ہی سے دیکھ لیے تھے۔ تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے وہ اُسی کے قریب جا پُہنچا۔ جُوں ہی محافظ اُس کی طرف متوجہ ہوئے وہ رو رو کر اور چلّا چلّا کر لقا اور سُلیمان کے نام کی دہائیاں دینے لگا۔ مُحافظوں نے سبب پُوچھا تو کہنے لگا۔ ”میں لُٹ گیا برباد ہو گیا۔ میرے دو ہزار اصیل گھوڑے امیر حمزہ نے چھِین لیے۔ مُجھے خداوند لقا یا شاہ سُلیمان کی خدمت میں لے چلو۔ گھوڑے اُنہی کے لیے لا رہا تھا۔ اِنصاف چاہتا ہوں۔“

لقا اور سُلیمان اس وقت دربار میں تھے۔ مُحافظ عُمرو کو دربانوں کے سردار کے پاس لے گئے۔ اُس نے مِیرِ دربار کو خبر بھیجی۔ میرِ دربار نے کہلا بھیجا۔ ”فریادی سوداگر کو انتظار کرنے کے لیے کہا جائے۔ دربار میں اس وقت جنگی معاملات پر بات چیت ہو رہی ہے۔ کسی اجنبی کو داخلے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔“

عُمرو کو یہ بات معلُوم ہوئی تو دِل میں اُس نے طے کیا کہ کسی کونے یا اوٹ میں جانا چاہیے اور عیّاری کی چادر اوڑھ کر دربار میں جا داخل ہونا چاہیے۔ کُچھ دیر وہاں خاموش بیٹھنے کے بعد اپس نے دربانوں کے سردار سے کہا۔

"ابھی سہ پہر ہے۔ دربار شاید شام تک جاری رہے۔ بیٹھے بیٹھے دِل گھبرا رہا ہے۔ ذرا باہر جاتا ہوں۔ چھاؤنی میں گھوم پھر کر دِل بہلاتا ہوں۔ شام تک واپس آجاؤں گا۔"

"نہیں، تُمھیں آرام کی ضرورت ہے۔" دربانوں کے سردار نے مُسکراتے ہوئے کہا اور تالی بجائی۔ دو مُحافظ فوراً اندر داخل ہوئے اور سلام کر کے خاموش کھڑے ہو گئے۔ سردار نے اُن سے کہا۔ اِس سوداگر کو لے جاؤ۔ جب تک طلب نہ کیا جائے نگرانی میں رکھو۔

عُمرو کے چہرہ پر گھبراہٹ اور جھنجلاہٹ کے آثار پیدا ہوئے تو سردار نے اس سے کہا۔ "ڈرو نہیں۔ یہ تُمھیں آرام سے رکھیں گے۔ بس اتنا ہے کہ خیمے

سے باہر نہ نکلنے دیں گے۔ اجنبیوں کو چھاؤنی میں گھُومنے پھِرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔"

دونوں مُحافظ عُمرو کو اپنے ساتھ لے گئے اور ایک چھولداری کے اندر بند کر دیا۔ چھولداری کے چاروں طرف سپاہی پہرے کے لیے موجود تھے۔ سپاہیوں کی شکل و صُورت دیکھ کر عُمرو نے پہلی ہی نظر میں اندازہ کر لیا کہ یہ دو مُختلف قبیلوں کے لوگ ہیں۔ چھولداری کے اندر ایک پھٹا پرانا مگر موٹا گدّا پڑا ہوا تھا۔ عُمرو تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا۔ ٹانگیں پسار کر گدّے پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر کے نیا منصُوبہ سوچنے لگا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ باہر ہلچل محسُوس ہوئی۔ وہ چونک اُٹھا۔ چھولداری کے ایک سُوراخ سے باہر جھانک کر دیکھا۔ سامنے پہرے داروں کا جمگھٹا لگا ہوا تھا۔ کُچھ خُوشی سے قہقہے لگا رہے تھے، کُچھ ایک دوسرے کو مُبارک باد دے رہے تھے اور کُچھ جوشیلے لہجے میں باتیں کر رہے تھے، عُمرو کان لگا کر اُن کی باتیں سُننے لگا۔ پتا چلا کہ افراسیاب کا بھیجا ہوا جادُوگروں کا لشکر قلعے کے سامنے پہنچ چکا ہے اور شاہ سُلیمان عنبریں

اُس کا اِستقبال کرنے کے لیے روانہ ہو گیا ہے۔

یہ حال معلُوم ہوتے ہی عُمرو نے عیّاری کی چادر اوڑھ لی۔ دروازے کے پردے کو ایک جانب سے تھوڑا سا کھسکایا اور بِلّی کی طرح چُپ چاپ باہر نکل گیا۔ پہرے دار بالکل سامنے تھے مگر وہ اسے بالکل نہ دیکھ سکے۔ اب عُمرو کو تفریح کی سُوجھی۔ اس نے ایک موٹے سپاہی کے زور دار تھپڑ رسید کیا۔ موٹا یہ سمجھا کہ یہ حرکت اُس کے پیچھے والے سپاہی کی ہے۔ اس نے پلٹ کر ایک زور دار گھونسا پیچھے والے سپاہی کی ناک پر جڑ دیا۔ اس عرصے میں عُمرو ایک دوسرے سپاہی پر بھی ہاتھ صاف کر چکا تھا۔ جس نے اپنے دائیں ہاتھ والے سپاہی سے دھر پٹک شروع کر دی تھی۔ کُچھ سمجھ دار سپاہی بیچ بچاؤ کرانے کے لیے آگے بڑھے۔ اُنہیں بھی عُمرو نے اسی ترکیب سے آپس میں لڑوا دیا۔ جیسا کہ اس نے شروع میں محسُوس کیا تھا سپاہی واقعی دو مختلف قبیلوں کے لوگ تھے۔ دھپ بازی کرنے میں اُس نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ ایک ہی قبیلے کے لوگ آپس میں لڑنے کے بجائے مخالف قبیلے سے الجھ پڑیں۔ ترکیب

کامیاب رہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھولداری کے ارد گرد کے سارے سپاہی دو گروہوں میں بٹ گئے۔ دھینگا مُشتی کرتے کرتے اُنھوں نے تلواریں کھینچ لیں۔ خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ تعصّب کی چنگاریاں اُس جگہ سے اُڑ اُڑ کر چھاؤنی کے دوسرے حصّوں میں پہنچنے لگیں۔ جوش نے لوگوں کو اندھا کر دیا۔ فساد کی آگ ایک سِرے سے دوسرے سِرے تک جا پُہنچی۔ سپاہیوں کے دونوں قبیلوں کے درمیان چپّے چپّے میں تلوار چلنے لگی۔ عُمرو اپنی کامیابی پر مُسکراتا ہوا، بچتا بچاتا چھاؤنی سے نکلا اور فرّاٹے بھرتا قلعۂ عقیق کی جانب روانہ ہو گیا۔

شام ہوتے ہوتے وہ قلعے کے سامنے جا پُہنچا۔ شاہ سُلیمان اِس سے پہلے آ کر جادُوگروں کے بادشاہ اور اُس کے ہمراہیوں کو اندر قلعے میں لے گیا تھا۔ پھر بھی اِکّے دُکّے جادُوگر اِدھر اُدھر پھر رہے تھے اور مزدور اُن کا سامان اکٹھا کر رہے تھے۔ قلعے کے دروازے پر چاق و چوبند پہرے داروں کا دستہ کھڑا تھا جو آنے جانے والوں پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھا۔ یہ حال دیکھ کر عُمرو ایک

جھاڑی کی اوٹ میں ہو گیا۔ چادر اُتار کر زنبیل میں رکھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد جو سامنے آیا تو جادُوگروں کے بھیس میں تھا۔ گلے میں ہڈّیوں کی مالا تھی۔ کہنی سے کندھوں تک چھوٹے چھوٹے بُت بندھے ہوئے تھے۔ چہرے پر رنگا نگ نشان کھنچے ہوئے تھے۔

دھڑ میں گھٹنوں سے اُوپر کانچ دار دھوتی بندھی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ میں جھولی تھی۔ دوسرے میں سیندور لگا ناریل دبا ہوا تھا۔ وہ بڑی شان سے چلتا ہوا پھاٹک کے اندر داخل ہو گیا۔ پہرے دار اُس پر بالکل شک نہ کر سکے۔

شہر کی رونق دیکھ کر عُمرو دنگ رہ گیا۔ سورج ڈُوب چکا تھا مگر شہر کے بازار، گلیاں اور محلے بقعۂ نور بنے ہوئے تھے۔ عمارتیں دُلھن کی طرح سجی ہوئی تھیں۔ خریداروں کا ہجوم تھا۔ جادُوگر لشکری جو اپنے بادشاہ کے ساتھ آئے تھے، چپّے چپّے میں گھُومتے پھِر رہے تھے یا خریداری کر رہے تھے۔ شہر کے لوگ اُن کے ساتھ بڑی آؤ بھگت سے پیش آ رہے تھے۔ عُمرو اِس ٹوہ میں تھا

کہ بغیر کسی سے پوچھے یہ معلُوم ہو جائے کہ شاہ سُلیمان نے جادُوگروں کے بادشاہ کو کہاں ٹھہرایا ہے۔ اُس کا کیا نام ہے اور وہ دونوں کیا کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔ آخر گھُومتے پھِرتے لوگوں کی باتوں پر کان دیتے اُسے پتا چل گیا کہ جادُوگر بادشاہ کا نام اِجلال جادُو ہے۔ شاہ سُلیمان نے اُسے خاص اپنے محل کے ایک حصّے میں ٹھہرایا ہے اور تھوڑی دیر بعد اُس کی خاطِر محل کے باغ میں ایک شان دار جشن منایا جائے گا۔

شہر کا چکر لگاتے ہوئے اس بات کا اندازہ عُمرو کو پہلے ہی ہو چکا تھا کہ شاہی محل کہاں ہے۔ اُس کے لیے مسئلہ اب صرف یہ تھا کہ کہیں پیٹ کی آگ بجھائے اور شاہی محل کی راہ لے۔ جگہ جگہ سالم مرغ اور بکری کی رانیں بھُن رہی تھیں۔ کئی بار اُس کے جی میں آئی کہ خرید کر کھالے مگر حرام گوشت سمجھ کر صبر کر گیا۔ آخر کار ایک حلوائی کی دکان پر اُسے کڑھاؤ سے گرم گرم پوریاں اُترتی نظر آئیں۔ وہ وہی ڈٹ گیا۔ آگے اور کمڈھے کی ترکاری کُچھ مزے کی نہ تھی مگر آم کے اچار کی وجہ سے پوریوں کا ساتھ دے گئی۔ قلاقند اور رس

گُلوں نے البتّہ اُس کا دِل خوش کر دیا۔ اچھی طرح پیٹ بھر کر اُس نے خدا کا شکر ادا کیا اور چونکہ جشن کا وقت ہو چکا تھا، اس لیے اطمینان سے شاہی محل کی طرف چل دیا۔

شاہ سُلیمان اور اِجلال جادُو کے سرداروں کے علاوہ کسی کو جشن میں شریک ہونے کی دعوت نہ دی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب عُمرو شاہی محل کے پھاٹک پر پہنچا تو پہرے داروں نے اُسے بُلند مرتبہ جادُوگر سمجھا۔ کسی نے بھی اُسے نہ ٹوکا۔ اندر محل کے باغ میں گھنگھروؤں کی چھا چھم ہو رہی تھی۔ جشن شُروع ہو چکا تھا۔ عُمرو پھاٹک سے گزرتا ہوا سیدھا جشن گاہ میں جا پہنچا۔ یہاں خاصا بڑا مجمع تھا۔ سونے کے ایک تخت پر گاؤ تکئے سے ٹیک لگائے اِجلال جادُو اور سُلیمان شاہ برابر برابر بیٹھے تھے۔ اُن کے پیچھے اور دائیں بائیں وفادار اور با ادب درباریوں کا مجمع تھا۔ سامنے فرش پر پری زادوں کی ایک ٹولی ناچ رہی تھی اور اس کے سامنے محل کا ایک کھلا دروازہ تھا جس پر چلمن پڑی ہوئی تھی۔ عُمرو بے باکی کے ساتھ بڑھتا ہوا تخت کے دائیں جانب عین اِجلال جادُو

کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ شاہ سُلیمان کے سرداروں نے اُسے اِجلال جادُو کا خاص درباری سمجھ کر آگے جانے کا راستہ دے دیا۔ ناچ ختم ہونے کے بعد بازی گروں نے اپنے کرتب دکھائے۔ اس کے بعد گویّوں کی باری آئی۔ پھر کوڑے بازی کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ اسی موقع پر عُمرو نے محسوس کیا کہ اور تو سب لوگ تماشا دیکھ رہے ہیں مگر اِجلال جادُو کی نگاہیں چلمن سے لڑی ہوئی ہیں۔ رہ رہ کر ہوا کے جھونکوں سے چلمن اُڑتی ہے۔ ایک عورت کنیزوں کے جھُرمٹ میں دروازے کے قریب دکھائی دیتی ہے۔ توجّہ دینے پر عُمرو کو پتا چلا کہ وہ عورت بھی موقع پا کر اِجلال جادُو کو غور سے دیکھنے لگتی ہے۔ ایسا معلُوم ہو رہا تھا جیسے دونوں ایک دوسرے کو پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ معاملہ دیکھتے ہی عُمرو کا دماغ جاگ اٹھا۔ وہ مجمع سے اس طرح باہر نکلا جیسے کوئی ضروری کام یاد آ گیا ہو۔ کوڑے بازی کا خطرناک مقابلہ دیکھنے میں سب لوگ اتنے محو تھے کہ کسی نے اُس پر توجّہ بھی نہیں دی۔ مجمع سے باہر نکل کر وہ ایک گوشے میں گیا۔ محل کے ایک بڑے خواجہ سرا کا حلیہ بنایا۔ سُرخ رنگ

کی ریشمی پگڑی باندھی۔ نیلے رنگ کی مخمل کا کامدار لمبا چُغہ پہنا، کمر میں ٹپکا باندھا، چاندی کا عصا ہاتھ میں لیا اور چکّر کھا کر محل کے اُس دروازے کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا جِس میں چلمن پڑی ہوئی تھی اور جدھر اِجلال جادُو نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ چلمن کے اندر بیٹھی ہوئی عورت کو دیکھ کر اس کا دِل گواہی دینے لگا کہ ہو نہ ہو یہ شاہ سُلیمان کی کوئی بیٹی ہے۔ جان بُوجھ کر وُہ چلمن کا ایک کونہ دبا کر اس طرح کھڑا ہو گیا کہ اب وہ ہوا کے جھونکوں سے نہ اُڑ سکتی تھی۔ یہ دیکھ کر شہزادی سے صبر نہ ہو سکا۔ چند لمحے بعد اس نے ہاتھ بڑھا کر چلمن کا کونا عُمرو سے چھُڑانا چاہا۔ عُمرو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈانٹ پلائی۔ ”خبردار، اگر اب چلمن کو ہاتھ لگایا تو ابھی جا کر بادشاہ سے شکایت کر دُوں گا۔“ یہ سُنتے ہی شہزادی کے پسینے چھوٹ گئے، کنیزوں کا خون خشک ہو گیا۔

اُدھر اِجلال جادُو نے اس نقلی خواجہ سرا کو شہزادی سے بات کرتے دیکھا تو اس کا دِل دھڑکنے لگا۔ چلمن کی طرف دیکھنا چھوڑ کر اب وہ عُمرو یعنی خواجہ سرا کو دیکھے جا رہا تھا۔ کُچھ دیر بعد عُمرو نے سب کی آنکھ بچا کر اِجلال جادُو کو ایک

گوشے کی جانب آنے کا اشارہ کیا اور خُود چلمن چھوڑ کر آہستہ آہستہ اُس طرف چل دیا۔ محفل میں اس وقت شاہ سُلیمان کے دو پہلوان کشتی کے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ عُمرو کے غائب ہوتے ہی اِجلال جادُو کوئی بہانہ بنا کر اُٹھا اور ٹہلتا ہوا عُمرو کے پاس جا پُہنچا۔

''شہزادی کو میں نے گود کھلایا ہے۔" عُمرو نے اُسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ ''وہ اپنا کوئی راز مُجھ سے پوشیدہ نہیں رکھتی۔ وہ تم سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ کل رات تم کسی ایسے مکان کی چھت پر قیام کرو جِس کے ارد گرد کافی دُور تک کوئی دوسرا مکان نہ ہو۔ شہزادی کل اپنے محل کی چھت پر سوئے گی۔ تم اپنے بھروسے کے دو تین جادُوگروں سے کہنا کہ جادُو کی طاقت سے مسہری سمیت اُسے اُٹھا کر تمھاری چھت پر پہنچا دیں۔ اُس کے بعد وہ بھی رُخصت ہو جائیں۔ شہزادی تُم سے اکیلے میں بات کرنا چاہتی ہے۔"

یہ سُنتے ہی اِجلال جادُو خوشی سے پھول گیا۔ فوراً اپنا ہار اور انگوٹھیاں اُتار کر

عُمرو کے حوالے کیں۔ اور پروگرام پکّا کرنے کے بعد جا کر محفل میں بیٹھ گیا۔ عُمرو نے عیّاری کی چادر اوڑھی اور پلٹ کر شہزادی کی طرف چل دیا۔ چلمن کے اندر پہنچنے پر اس نے چادر کو جسم پر سے اس طرح کھسکایا کہ اس میں سے صرف اُس کا سر اور ہاتھ پاؤں دکھائی دیتے تھے۔ شہزادی اور کنیزوں کی اس عجوبے پر نگاہ پڑی تو عُمرو پُتلیاں پلٹا کر ڈراؤنی آواز میں بولا۔ ''میں بے دھڑ کا بھُوت ہوں۔ تم سب کو کھا جاؤں گا۔'' یہ سُنتے ہی دہشت سے سب بے ہوش ہو گئیں۔

عُمرو نے لپک کر شہزادی کو باندھ کر زنبیل میں ڈالا۔ اپنے آپ کو جلدی جلدی شہزادی کی صُورت کا بنایا۔ کنیزوں کو بے ہوشی دُور کرنے والا گُل دستہ سنگھایا۔ اور شہزادی کی طرح اُس کی کُرسی پر ڈھیلا ہو کر پڑ رہا۔ کنیزوں نے ہوش میں آ کر اُسے اُٹھایا اور کہنے لگیں۔ ''بس اب یہاں ایک لمحہ نہ ٹھہریے۔ چلیے اپنی اپنی حویلی میں آرام کیجیے یہاں تو بھُوتوں کا ڈیرا ہے۔''

عُمرو فوراً اُٹھ کھڑا ہوا مگر چونکہ یہ جانتا تھا کہ شہزادی کی حویلی کون سی ہے اور اس کا کمرہ کہاں ہے، اس لیے دو کنیزوں کو آگے چلنے کا حکم دے کر اور خُود کو نڈھال ظاہر کر کے باقی دو کنیزوں کے سہارے اُن کے پیچھے چلنے لگا۔ کنیزوں نے اُسے شہزادی کے خاص کمرے میں پہنچا کر مسہری پر لِٹا دیا۔

اُدھر جشن گاہ میں صُبح کے وقت محفل ختم ہونے پر سُلیمان شاہ نے اِجلال جادُو سے سوال کیا۔ ”آپ دِن میں آرام کریں گے یا صُبح ہی صُبح امیر حمزہ کے مُقابلے کے لیے چھاؤنی روانہ ہو جائیں گے۔“

اِس پر اِجلال جادُو نے جواب دیا۔ ”میرے لیے آبادی سے الگ ایک مکان کا انتظام کر دیجئے۔ دِن میں وہاں آرام کروں گا اور رات کو اپنا خاص جادُو جگانے کے لیے اُس کی چھت پر عمل کروں گا۔ امیر حمزہ کے مقابلے کے لئے پرسوں صُبح ہی جا سکوں گا۔“

اس پر شاہ سُلیمان نے فوراً اپنے وزیروں کو اِجلال جادُو کی فرمائش پوری

کرنے کا حکم دیا اور محفل برخاست کر کے اپنے محل میں چلا گیا۔

چوہے جیسا مزدور

شاہی مہمان خانے کا داروغہ اِجلال جادُو کا ضروری سامان نئے مکان میں بھیجنے کے لیے اکٹھا کر رہا تھا دُوسرے کئی ملازم اِس سامان کو باندھ رہے تھے۔ اِسی موقعے پر ایک چوہے جیسی شکل کا دُبلا پتلا مزدُور وہاں آیا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں بڑی سی چھابڑی تھی اور سر میں کُنڈلی بندھی ہوئی تھی۔ آتے ہی اُس نے کہا۔ ''مُجھے ایک سپاہی نے بھیجا ہے۔ کیا سامان لے جانا ہے؟''

داروغہ اُسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر ہنس دیا۔ ''کیا تمہارے علاوہ اُس سپاہی کو اور کوئی نہیں مِلا؟ مُجھے مضبوط مرد چاہیے چوہا نہیں۔''

مزدُور نے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا۔ ''حضور میں چوہا سہی۔ بوجھ تو بتایئے۔ دو

آدمیوں سے زیادہ کا وزن اُٹھالے جاؤں تو مانیے گا۔"

داروغہ یہ سُن کر مُسکرا دیا۔ کہنے لگا۔ "اچھی بات ہے چلو یہ قالین اُٹھاؤ۔ لیکن اگر تُم ٹوٹ پھُوٹ گئے تو میں ذمّے دار نہ ہوں گا۔"

قالین بُہت وزنی تھا۔ لیکن طرح دو آدمی سے کم اُسے نہ اُٹھا سکتے تھے۔ لیکن اُس مزدور نے ایک ہی جھٹکے میں اُٹھا کر کندھے پر لاد لیا اور سیدھا کھڑا ہوتا ہوا اِطمینان سے بولا۔ "حکم دیجیے۔ کہاں لے جاؤں۔" داروغہ حیران رہ گیا۔

اِتنے میں شاہ سُلیمان کا ایک افسر کئی دوسرے مزدُوروں کو لِیے وہاں آ پُہنچا۔ چوہے جیسے مزدُور کو بوجھ اُٹھائے دیکھ کر اُس نے کہا۔ "تُم محل کے پھاٹک کی طرف چلو۔ میں بتاؤں گا کہاں چلنا ہے۔" وہ آہستہ آہستہ چل دیا۔ تو اُس نے دُوسرے مزدُوروں کو سامان اُٹھانے کی ہدایت کی۔ تھوڑی ہی دیر میں سب کو ساتھ لیے ہُوئے وہ چُوہے جیسے مزدور سے جا ملا۔ مختلف راستوں سے گُزرتے ہوئے وہ شہر سے باہر ایک دومنزلہ مکان پر جا پُہنچے۔ یہاں برآمدے

میں سارا سامان اُتروا کر اُس نے مزدوروں کو دوسرا پھیرا لانے کے لیے پھر شاہی مہمان خانے جانے کی ہدایت کی اور خُود وہیں ٹھہر گیا۔

کئی پھیروں میں جب سارا سامان آ گیا تو وہ مزدُوروں کی مدد سے سامان کو مختلف حصّوں میں قرینے سے رکھوانے لگا۔ صفائی وغیرہ پہلے ہی ہو چُکی تھی۔ چُوہے جیسے مزدور کو مکان کی چھت پر سامان لانے کا حکم ملا جس مزدُور کا کام ختم ہو جاتا اُسے چھُٹی مِل جاتی۔ وہ ہاتھ جھاڑ تا مُفت کی اِس بیگار سے جان چھڑُا کر چل دیتا۔ آخر چُوہے جیسے مزدُور کو بھی چھٹّی مل گئی۔ وہ بھی دوسروں کی طرح رُخصت ہو کر باہر نِکل گیا۔ نِگران افسر بر آمدے میں بچھی ہوئی ایک کُرسی پر بیٹھ کر سستانے لگا۔ چُوہے جیسے مزدُور کے دِل میں جانے کیا آئی کہ کُچھ دُور جا کر وہ پلٹا۔ چوری چوری مکان کے پچھلے حصّے کی طرف گیا اور چار دیواری پھلانگ کر اندر چلا گیا۔ نِگران بدستور کُرسی پر بیٹھا ہُوا مکان کے سامنے والے راستے کو دیکھ رہا تھا۔ اِجلال جادُو کو اِسی راستے سے آنا تھا۔ چُوہے جیسے مزدُور نے اُسے غافل پا کر زینے لی اور آہستہ آہستہ چڑھتا ہُوا چھت پر جا

پُہنچا۔ یہاں چاروں طرف اِحتیاط کے ساتھ دیکھ کر اُس نے اِطمینان کیا اور پھِر مسہری کے نیچے لیٹ گیا۔

زیادہ دیر نہ گُزری تھی کہ اِجلال جادُو بھی آ پُہنچا صِرف دوراز دار جادُوگر اُس کے ساتھ تھے۔ سارا دِن اُنہوں نے نچلی منزل میں آرام کیا۔ شام ہونے پر چھت پر چلے آئے۔ اِجلال نے چہل قدمی شروع کر دی۔ اُس کے دونوں جادُوگر چیزوں کی صفائی میں لگ گئے۔

اس طرف عُمرو نے بھی شام ہونے پر کنیزوں کو مسہری چھت پر بچھانے کا حُکم دیا۔ کنیزوں کو یہ بات کُچھ عجب سی لگی اِس لیے کہ شہزادی چھت پر سونا پسند نہ کرتی تھی۔ اِس پر عُمرو نے بات بنائی آج میرا دِل چاند تاروں کی سیر کے لیے مچل رہا ہے۔ کنیزوں نے ہنسی خوشی مسہری اور ضُرورت کی دوسری چیزیں چھت پر پُہنچا دیں۔ اس وقت تک عُمرو کو یہ نہ معلُوم ہو سکا تھا کہ جو شہزادی کی وہ نقل بنا ہوا ہے، اس کا نام کیا تھا۔ چھت پر پُہنچنے کے بعد طرح

طرح کی باتیں بنا کر اس نے کنیزوں سے اس کا پتا چلا لیا کہ شہزادی کا نام نسرین عنبریں ہے۔

کھانا کھانے کے بعد وہ بڑی دیر تک کنیزوں سے کہانیاں سُنتا رہا۔ پھر نقلی جمائیاں لینے لگا۔ کنیزوں نے سمجھا اسے نیند آ رہی ہے۔ وہ چُپ ہو گئیں اور مسہری کے ارد گرد فرش پر لیٹ گئیں۔ کُچھ دیر اور خاموشی رہی تو ایک ایک کر کے سب سو گئی۔ اُن کے خرّاٹے کی آواز پر اطمینان کر کے عُمرو نے سفوفِ بے ہوشی زنبیل سے نکال کر اُن کو سُنگھا دیا۔ اس کے بعد اُدھر بارہ کا گجر بجا اِدھر عُمرو بھی تکیے پر سر رکھ کر خرّاٹے لینے لگا۔ اسے یقین تھا کہ اِجلال کے جادُوگر بس آتے ہی ہوں گے۔

اُس کا خیال ٹھیک نکلا۔ زیادہ دیر نہ گُزری تھی کہ دو تاریک سائے اُڑتے ہوئے آئے اور مسہری سمیت نقلی شہزادی نسرین یعنی عُمرو کو لے اُڑے۔ تھوڑی دیر بعد عُمرو کو اپنے چاروں طرف بھینی بھینی خوشبو محسوس ہوئی۔ اُسی

لمحے اُسے ایسا لگا جیسے مسہری کسی جگہ رکھ دی گئی ہے۔ گہری نیند کی حالت ظاہر کرتے ہوئے اس نے کروٹ لی اور تھوڑی سی آنکھ کھول کے دائیں بائیں دیکھا۔ اِجلال جادُو کی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ ”شاباش، اب جا کر نچلی منزل میں آرام کرو۔ جب تک خُود نہ بُلاؤں ہر گز اُوپر نہ آنا۔“

وہ دونوں نیچے چلے گئے تو اِجلال جادُو نقلی شہزادی کی مسہری کے گرد چکر لگانے لگا۔ اُس کی ہمّت نہ پڑتی تھی کہ شہزادی کو جگائے۔ آخر جب کچھ وقت یونہی گزر گیا تو اس سے نہ رہا گیا۔ پائنتی بیٹھ کر ڈرتے ڈرتے شہزادی کے تلوے سہلائے، فوراً ہی نقلی شہزادی چونک کر اُٹھ بیٹھی۔ آنکھیں ملتے ہوئے اپنی کنیزوں کے نام لے کر پُکارنے لگی۔

اِجلال جادُو نے بڑے ادب سے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ”یہاں حضور کی کوئی کنیز نہیں، یہ غُلام حاضر ہے۔ جو حکم ہو بجالاؤں۔“

”ہائیں، یہ کون سی جگہ ہے؟“ نقلی شہزادی نے بناوٹی غصّے سے کہا۔ ”مجھے یہاں کون لایا؟ تم کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟“

اِجلال سٹپٹا گیا۔ سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”حضور، غُلام کی مہمان ہیں۔ خواجہ سرا کے ذریعے حضُور نے جو حکم بھجوایا تھا اُسی کی تعمیل ہُوئی ہے۔“

”ہائیں، تو مُجھے الزام دیتا ہے؟“ نقلی شہزادی غصّے سے بپھرتی ہوئی بولی ”کیسا خواجہ سرا؟ کس کا پیغام؟ تیرا دماغ تو ٹھیک ہے۔ کیا نہیں جانتا۔ میں شاہ سُلیمان عنبرین کی بیٹی ہوں، میری جوتی کو کیا غرض تیری مہمان ہُوں۔“

”اُف۔ تو کیا وہ دھوکا تھا؟“ اِجلال اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر افسوس کے ساتھ بڑبڑایا۔ ”وہ خواجہ سرا کوئی مکّار اور شر پسند تھا۔ ہائے۔ میں تو کہیں کا نہ رہا۔ شہزادی صاحبہ میں گناہ گار ہُوں۔ حاضِر ہُوں۔ جو چاہے سزا دے لیجیے۔“ یہ کہہ کر وہ اُٹھا اور فرش پر دوزانو سر جھُکا کر بیٹھ گیا۔

نقلی شہزادی نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ سامنے کونے میں ایک میز پر شربت کی

صُراحی پڑی تھی۔ وہ گلے میں ہاتھ پھیر کر بولی۔ اُف پیاس کے مارے میرے حلق میں کانٹے پڑ رہے ہیں اور تو بُڈھے اُلّو کی طرح سر جھکائے بیٹھا ہے۔ جلدی اُٹھ اور وہ شربت کی صُراحی اور پیالہ اُٹھالا۔" اِجلال فوراً اُٹھا، صُراحی لا کر نقلی شہزادی کے ہاتھ میں تھمائی اور پھر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ نقلی شہزادی نے تھوڑا سا شہرت خود پیا اور پھِر پھُرتی سے پیالے میں بے ہوشی کا سفوف ملا کر اِجلال سے بولی۔ "لے تُو بھی پی۔"

شہزادی کو یوں مہربان پا کر اِجلال خوشی سے جھُوم اُٹھا اور اُس کے ہاتھ سے پیالہ لے کر ایک ہی سانس میں غٹ غٹ پی گیا۔ دوسرے ہی لمحے کٹی ہوئی شاخ کی طرح لمبا لمبا پڑا تھا۔

نقلی شہزادی یعنی عُمرو نے زنبیل سے ریشمی ڈوری نکالی اور اِجلال کے ہاتھ پاؤں باندھنے لگا۔ اسی موقع پر اِجلال کی مسہری کے نیچے چھپا ہُوا چوہے جیسا مزدُور چُپکے سے باہر نکلا اور نقلی شہزادی کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ عُمرو کی اُس

طرف پیٹھ تھی۔ دوسرے اُسے اِس بات کا یقین تھا کہ یہاں اِجلال اور اُس کے سوا کوئی تیسرا شخص موجود نہیں ہو سکتا، اس لیے وہ اُس سے بالکل غافل رہا۔ اِجلال کے ہاتھ پیر باندھ کر اُس نے زنبیل سے خنجر نکالا اور اُس کے قبضے کو مُٹھّی میں دبا کر ہاتھ بلند کیا۔ مگر اُس کا ہاتھ بلند ہی ہوا تھا کہ چوہے سے مزدُور نے لپک کر اُس کی کلائی پکڑ لی۔ عُمرو چونک کر پیچھے کی طرف پلٹا، مزدُور نے اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اُسے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ ”تُم؟ تُم یہاں کیسے آئے؟“

مزدُور دراصل عُمرو کا بیٹا چالاک تھا۔

چالاک نے کہا۔ ”جب مُجھے معلوم ہُوا کہ آپ دُشمنوں کی چھاؤنی کا حال معلُوم کرنے جارہے ہیں تو میں نے سوچا مُجھے قلعۂ عقیق کے اندر کے حالات کا پتا لگانا چاہیے۔ بس میں چل دیا۔ آپ چھاؤنی میں پُہنچے اور میں مزدُوروں کے بھیس میں قلعے میں آگیا۔ محل کے جشن میں بھی ایک خدمت گار کی حیثیت

سے موجود تھا۔ پھر جب پتا چلا کہ اِجلال ایک تنہا مکان میں قیام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو مزدُور بن کر یہاں آیا۔ ایک تو میں اِس راز کو جاننا چاہتا تھا، دوسرے موقع پا کر اِسے ٹھکانے لگانے کی بھی آرزو رکھتا تھا۔ آپ اِسے بے ہوش کر کے ہاتھ پاؤں باندھنے لگے تو میں سمجھ گیا کہ شہزادی کے بھیس میں آپ کے سوا اور کوئی نہیں۔ اِسی لیے مسہری کے نیچے سے باہر نکل آیا۔"

"ہُوں۔" عُمرو نے کہا "مگر تُو نے میرا خنجر والا ہاتھ کیوں پکڑا؟"

چالاک نے کہا۔ "اِجلال جادُوگر ہے اور جادُوگر جب ہلاک ہوتا ہے تو اُس کے ہم زاد شور مچاتے ہیں، آندھیاں چلاتے ہیں، بَین کرتے ہیں۔ اگر آپ اِسے مار ڈالتے تو اِس کے جادُوگروں کو فوراً پتا چل جاتا اور ہم دونوں ہی دھر لیے جاتے۔"

یہ سُن کر عُمرو نے بیٹے کے کاندھے تھپتھپائے اور بولا۔ "شاباش، تو بُہت سمجھ دار ہے مگر اب کیا کیا جائے، تیری عقل کیا کہتی ہے؟"

”میری رائے تو یہ ہے ابّا جان۔“ چالاک نے سوچتے ہوئے کہا کہ ”آپ اِجلال کے ہونٹوں کو چپکا کر زنبیل میں ڈال لیں تاکہ ہوش آنے پر وہ جادُو نہ کر سکے۔ مُجھے شہزادی کے بھیس میں تبدیل کر دیجیے۔ آپ خُود اِجلال جادُو بن جائیے۔ اِس طرح موقع پا کر ہم دونوں دُشمنوں کے چُنگل سے نکل جائیں گے۔ سانپ بھی مر جائے گا، لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔“

عمرو نے بے ساختہ چالاک کو گلے سے لگا لیا۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد اِجلال زنبیل میں جا چکا تھا، عُمرو اِجلال بنا ہوا تھا اور چالاک شہزادی نسرین عنبریں کے روپ میں دکھائی دے رہا تھا۔ اِس کام سے فارغ ہو کر عُمرو نے اِجلال کی آواز میں اُس کے جادُوگروں کو آواز دی۔ وہ اُوپر آ گئے تو اُس نے اُنہیں حکم دیا۔ ”جاؤ شہزادی کو اُس کی چھت پر چھوڑ آؤ۔“

دونوں جادُوگر شہزادی کی مسہری لے کر اُڑے تھوڑی ہی دیر میں اُسے اُس کی چھت پر ٹھیک پہلی جگہ پر رکھ کر واپس آ گئے۔ اُن کے واپس آتے ہی نقلی

اِجلال اُنہیں ساتھ لے کر اُس میدان کی طرف روانہ ہو گیا جہاں اُس کی فوج ڈیرے ڈالے پڑی تھی۔ وہاں پہنچ کر اُس نے اپنے سپہ سالار کو طلب کیا اور حُکم دیا۔ لشکر کو کُوچ کی تیّاری کے لیے کہہ دو۔ سُورج نکلنے سے پہلے پہلے ہم یہاں سے میدانِ جنگ کو روانہ ہو جائیں گے۔

سپہ سالار نے ادب سے سر جھُکایا اور واپس جاتے ہی تیّاری کا نقّارہ بجایا جادُو گروں کے پڑاؤ میں ایک سِرے سے دوسرے سِرے تک ہلچل کی لہر دوڑ گئی۔ لوگ ہڑبڑا کر اُٹھے۔ ہاتھ مُنہ دھویا۔ ضروریات سے فراغت حاصل کی اور پھر ڈیرا خیمہ اُکھاڑنے اور سامان سمیٹنے باندھنے لگ گئے۔

نقلی اِجلال نے اپنے لشکر کی تیّاری کا حکم دینے کے بعد ایک قاصد کو شاہ سُلیمان کے پاس بھی روانہ کیا۔ اِجلال کے لشکر کے نقّاروں کی آواز سُن کر وہ پہلے ہی نیند سے بیدار ہو چکا تھا۔ اِجلال کے قاصد نے آ کر جو اُسے روانگی کا پیغام دیا تو اُسے رُخصت کر کے وہ خود بھی تیّاریوں میں لگ گیا۔ اِسی موقع پر

شہزادی نسرین اپنی کنیزوں کے ساتھ اُس کے پاس آ پہنچی اور ضد کرنے لگی کہ میں بھی جنگ دیکھنے کے لیے ساتھ چلوں گی۔ شاہ سُلیمان نے پہلے تو اُسے بُہت ٹالا مگر جب وہ اَڑ گئی تو مجبوراً ساتھ لے چلنے پر آمادہ ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد چالیس ہزار جادُوگروں کا لشکر قلعے کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سورج نکلنے میں ابھی خاصی دیر تھی مگر سارا شہر جاگ چُکا تھا۔ ہر طرف مردوں، بچّوں اور عورتوں کے نعرے گونج رہے تھے۔ لاتعداد لوگ سڑک کے دونوں جانب کھڑے ہوئے تھے۔ جادُوگروں کے لشکر سے نقّاروں اور نفیریوں کی آوازیں بُلند ہو رہی تھیں۔ کُچھ لوگ سنکھ بھی بجا رہے تھے۔ یہ لشکر ابھی قلعے کے دروازے کے قریب نہ پُہنچا تھا کہ شاہ سُلیمان بھی اپنے باڈی گارڈ اور شہزادی نسرین عنبرین کے ساتھ اُس سے آ مِلا۔ نقلی اِجلال نقلی شہزادی کو قریب پا کر دِل میں خُدا کا شکر بجا لایا۔

قلعے سے نِکل کر اُنہوں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ مُسلسل گھوڑے دوڑاتے وہ

دِن چڑھے چھاؤنی میں جا پُہنچے۔ چھاؤنی میں زور زور سے خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ بختک نامُراد نے فوراً فرامُرز شاہ کو مبارک باد دی۔ فرامُرز شاہ نے بڑے جوش کے ساتھ لقا سے کہا۔

”خداوند کا اقبال بلند ہو، اِجلال جادُو اپنی فوج کے ساتھ آ پہنچا ہے۔ امیر حمزہ کی سرکشی کے دِن پورے ہو چکے ہیں۔ مُبارک ہو۔“

لقا کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا۔ ”تُمھیں بھی مبارک ہو۔“ اُس نے کہا اور بے صبری کے ساتھ آنے والوں کو دیکھنے لگا۔ نقلی اِجلال جادُو سُلیمان شاہ کے ساتھ بارگاہ میں داخل ہو رہا تھا۔ لقا کے سوا سارے سردار اور بادشاہ اُس کے اِستقبال کو کھڑے ہو گئے۔ دُور سے لقا کو جھُک کر سجدہ کرنے کے بعد نقلی اِجلال سیدھا تخت کے قریب جا پہنچا اور تخت کے پایہ کو بوسہ دے کر اُس نے کہا۔

”میں مُقابلے کے لیے ہر طرح تیّار ہوں۔ اِجازت فرمایئے کہ جا کر امیر حمزہ کو

سزا دُوں۔"

"مُجھے تم پر اور تمہارے آقا افراسیاب پر پُورا اِعتماد ہے۔" لقا بولا۔ "جاؤ اور دُشمن کو تباہ کرو۔ رات کو جشن منایا جائے گا اور اُس کا سہرا تُمہارے سر بندھے گا۔"

نقلی اِجلال نے ادب سے سر جھُکایا اور باہر چل دیا۔ نقلی شہزادی نسرین گھوڑے پر سوار، سہیلیوں کے جھُرمٹ میں اب تک بار گاہ کے باہر ہی کھڑی تھی۔ نقلی اِجلال باہر نِکلا تو دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر پاس آ کر کہا۔ "حضور کو بادشاہ طلب فرماتے ہیں۔"

"ہم ذرا چھاؤنی کی سیر کریں گے۔ حضور سے کہو تھوڑی دیر میں حاضر ہو جائیں گے۔" شہزادی نے جواب میں کہا۔ اور گھوڑے کو موڑ کر سہیلیوں کے ساتھ ایک طرف کو چل دی۔

نقلی اِجلال اُس سے رُخصت ہو کر اپنی فوج میں آیا اور سب کو جنگ کے لیے

تیّار ہونے اور آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اب جو لشکر آگے روانہ ہوا ہے تو دیکھتے ہی دیکھتے کسی جادُوگر کا گھوڑا شتر مُرغ بن چُکا تھا۔ کسی کا بارہ سنگھا۔ کسی کے گھوڑے کے دو سر اور آٹھ ٹانگیں تھیں۔ کسی کا گھوڑا آدھا ہاتھی اور آدھا اُونٹ نظر آرہا تھا، چونکہ نقلی اِجلال کو جادُو نہ آتا تھا اِس لیے اُس کا گھوڑا ویسے کا ویسا ہی رہا۔ چھاؤنی سے کُچھ دُور جا کر نقلی اِجلال نے لشکر کو رُک جانے اور صفیں درست کرنے کی تاکید کی۔ پھر سپہ سالار کو طلب کیا اور کہنے لگا۔

”میں چاہتا ہوں کہ میدان میں جاؤں، امیر حمزہ کو اپنے مقابلے کے لیے طلب کروں اور جادُو سے باندھ لوں۔ تم میرے لیے کوئی خوفناک جادُو کی سواری بنادو۔ میں خود اس کے لیے عمل نہیں کرنا چاہتا۔“

سپہ سالار نے فوراً کُچھ پڑھ کر نقلی اِجلال کے گھوڑے پر پھُونکا تو پلک جھپکتے میں وہ ایک خوفناک اژدھے کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ فوج کو اپنی جگہ قائم رہنے کا حکم دے کر نقلی اِجلال نے اژدھے کو آگے بڑھایا اور اپنے اور

امیر حمزہ کے لشکر کے درمیان پہنچ کر پکارا۔ "امیر حمزہ، میرے مقابلے کے لیے آؤ میرا نام اِجلال جادُو ہے۔"

تین بار اُس نے اِسی طرح امیر حمزہ کو پکارا تو وہ ضبط نہ کر سکے۔ فوراً گھوڑا دوڑاتے ہوئے اُس کے پاس آ پہنچے۔ جادُوگروں کا لشکر اُنہیں آگے بڑھتا دیکھ کر جادُوئی آگ کے گولے ہوا میں اُچھالنے لگا تھا۔ امیر حمزہ کے قریب آتے ہی نقلی اِجلال آہستہ سے بولا۔ "یا امیر، میں عُمرو ہُوں۔ تھوڑی دیر دِکھاوے کی لڑائی کے بعد مُجھے گرفتار کر کے لے جانا مگر کوئی اُلٹا سیدھا ہاتھ مت مارنا۔"

"پروا مت کرو۔" امیر نے اُسے شک کی نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "اگر تم اصلی جادُوگر بھی ہوئے تو بھی تمہارا کوئی جادُو مُجھ پر اثر نہ کر سکے گا۔ میں نقشِ سُلیمانی پہنے ہُوں؟"

اِس گُفتگو کے بعد دونوں کُچھ دیر تلوار سے لڑتے رہے۔ کُچھ دیر نیزے سے۔

آخر میں کُشتی لڑنے لگے۔ چند ہی لمحے بعد امیر نے اُسے بے بس کر کے باندھ لیا۔ لقا کی چھاؤنی میں سنسنی دوڑ گئی۔ اِتنی آسانی سے اِجلال جادُو کا گرفتار ہونا سب کو عجیب لگ رہا تھا۔ غصّے میں آ کر جادُوگروں کے جتھے نے امیر حمزہ پر یلغار کر دی۔ اُسی لمحے چھاؤنی کے ایک حصّے سے شور اُٹھا۔ "لینا، پکڑنا، شہزادی نسرین کا تُند گھوڑا بے قابو ہو کر امیر حمزہ کے لشکر کی طرف بھاگا چلا جا رہا ہے۔"

طلِسم پر پڑھائی

اِجلال جادُو کے آسانی سے گرفتار ہونے کی وجہ سے امیر حمزہ کی فوج کے حوصلے بُہت بُلند ہو گئے تھے۔ اس پر شہزادی نسرین جو اُن کی طرف بھاگی اور جادُوگروں نے اُن پر یلغار کی تو اُنہیں جوش آگیا۔ شہزادی کو پکڑنے کے لیے دُشمن کے کُچھ تیز رفتار سوار بڑھے چلے آرہے تھے۔ امیر حمزہ پر حملہ کرنے والوں کا ہجوم بھی بڑھ رہا تھا۔ یہ بات امیر کے بہادُر بیٹوں، پوتوں اور نامور سرداروں سے برداشت نہ ہو سکی۔ شیروں کی طرح دھاڑتے ہوئے اُنہوں نے ہر طرف سے دشمن پر ہلّا بول دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارے محاذوں پر ہولناک جنگ چھِڑ گئی۔ تلواروں کی جھنکار اور بہادُروں کی للکار سے میدانِ جنگ گونجنے لگا۔ پتھّر، تلوار، برچھے اور تیر چلنے لگے۔ خُون کے فوّارے اُبلنے

لگے۔ لاشے زمین پر تڑپنے لگے۔ دوسرے سارے محاذوں پر امیر حمزہ کی فوج کا پلّہ بھاری رہا مگر جادُوگروں کا زور اپنی جگہ رہا۔ وہ ماش کے دانوں پر منتر پڑھ پڑھ کر ہوا میں اُچھالتے رہے۔ لشکرِ امیر پر آگ پتھّر اور تیر برساتے رہے۔

شام تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی مگر فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر واپسی کا نقّارہ بجا۔ جنگ موقوف ہوئی۔ دونوں جانب کے جنگجو ایک دوسرے سے الگ ہوئے اور اپنے اپنے زخمیوں کو لاد کر ڈیرے کو چلے۔ لاشوں کو شُمار کیا گیا۔ پتا چلا کہ تین ہزار بہادُر لشکرِ امیر کے اور ایک لاکھ تین ہزار جوان دُشمن کے کام آئے۔

رات کو امیر حمزہ نے سرداروں کا جلسہ بُلایا۔ دِن کی جنگ کے سارے حالات اور واقعات تفصیل کے ساتھ سامنے رکھے گئے۔ کارناموں اور کوتاہیوں کی نشان دہی کی گئی۔ کِسی کو تنبیہ کی گئی۔ کسی کو انعام و اکرام سے نوازا گیا۔

جادُوگروں کے محاذ پر ہونے والے نقصانات پر سب نے افسوس کا اظہار کیا۔ اسی موقع پر امیر نے اِجلال جادُو کو حاضر کیے جانے کا حکم دیا۔ جیسے ہی اُسے گرفتار حالت میں لایا گیا وہ غصّے سے چیخ چیخ کر کہنے لگا۔ ''اے امیر یہ کیا طریقہ ہے؟ جب میں نے تُمھیں میدانِ جنگ میں بتا دیا تھا کہ میں عُمرو ہُوں تو پھر مُجھے اتنی دیر تک کیوں قید رکھا گیا؟ کیا آپ مُجھ پر شک کرتے ہیں۔ اب بھی مُجھے اصلی اِجلال سمجھتے ہیں؟''

امیر حمزہ نے کہا۔ ''شک تو بہر حال کرنا ہی چاہیے۔ جادُوگروں اور مکّاروں سے مُقابلہ ہے۔ ویسے اگر تُم واقعی عُمرو ہو تو اپنے آپ کو اِسی وقت سے آزاد سمجھو۔ مگر ثبوت دینا پڑے گا۔''

''بے شک ثبوت دوں گا مگر اِتنی دیر تک قید میں رکھے جانے کا جُرمانہ ضرور وصول کروں گا۔'' عُمرو نے کہا۔ ''یا میرے ہاتھ کھلوادو یا خود میری بائیں آنکھ کی پلکوں کو اُٹھا کر دیکھو اور ڈھیلے پر تِل کو پہچانو۔''

امیر نے اُسے قریب بُلا کر اُس کی آنکھ کو دیکھا۔ واقعی تِل موجود تھا۔ اُنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اُس کے بند کھولے۔ گرمجوشی سے بغلگیر ہُوئے اور اپنے پاس بٹھایا۔ سارے سردار اُسے مبارک باد دینے لگے۔ کُچھ دیر سب سے داد وصُول کرنے کے بعد عُمرو نے زنبیل میں ہاتھ ڈالا اور اصلی اِجلال جادُو کو باہر نکالا۔ وہ اب تک بے ہوش تھا۔ خیمے کے ایک ستُون سے اُسے کس کر باندھنے کے بعد عُمرو نے اُسے بے ہوشی دُور کرنے والا عِطر سنگھایا۔ چند لمحوں میں اُسے ہوش آ گیا۔ آنکھیں کھول کر وہ چاروں طرف حیرت اور پریشانی کے ساتھ دیکھنے لگا۔ عُمرو نے اُس کی یہ حالت دیکھی تو زور سے قہقہہ لگایا۔ بالکل اپنی صُورت کے ایک دوسرے آدمی کو سامنے دیکھ کر اِجلال اور بھی چکرایا۔ عُمرو نے کہا۔

"اے جھوٹے خُدا کے بندے اور جادُوگروں کے بادشاہ، اچھّی طرح آنکھیں کھول کر دیکھ اور سُن۔ تُو امیر حمزہ سے جنگ کرنے آیا تھا۔ قلعۂ عتیق میں تُو نے جشن منایا تھا اور شہزادی نسرین سے شادی کا خیال دِل میں لایا تھا۔

ایک خواجہ سرا کے کہنے پر تُو نے سنّاٹے کے ایک مکان پر ڈیرا جمایا۔ شہزادی کو مسہری سمیت اُٹھوا منگوایا۔ اُس کے بعد تُو نے شہزادی کے ہاتھ سے شربت پیا اور اپنے آپ کو برباد کیا۔ کان کھول کر سُن۔ وہ خواجہ سرا بھی میں تھا اور شہزادی نسرین کے روپ میں بھی میں ہی تیرے کوٹھے پر آیا تھا۔ کاٹھ کے اُلّو، تو بڑا ہوشیار جادُوگر بنتا ہے مگر دیکھ میں نے تجھے چکّر میں ڈال پھانس کر کس آسانی سے گرفتار کیا اور کِس ترکیب سے تیرے سمیت یہاں آ پُہنچا۔ اب دیکھ۔ وہ سامنے جواہر نگار کُرسی پر ہمارے امیر حمزہ تشریف رکھتے ہیں۔ اِردگرد سب اُن کے غلام اور سردارانِ نیک نام ہیں۔ تو لشکر گاہ امیر حمزہ میں ہے اور اِس حال میں گرفتار ہے۔ یاد رکھ۔ تیرا جھُوٹا خُدا تھا جو خود تیرے ٹھکانے پر تیرے کام نہ آیا، تُجھے گرفتار حالت میں یہاں تک پہنچنے سے نہ بچا سکا، وہ ہرگز یہاں تُجھے نہ بچا سکے گا۔ سارا زور لگا کر بھی تُجھے نہ چھڑا سکے گا۔ اور سُن۔ شہزادی نسرین بھی میرے قبضے میں ہے۔ اگر تو لقا کی بندگی سے توبہ کرے۔ دینِ ابراہیمی قبول کر کے امیر حمزہ کی اطاعت کا دم بھرے تو قید سے

بھی چھوٹے اور شہزادی بھی مِلے۔ دُوسری صُورت میں سمجھ لینا، ابھی ایک خنجر میرے ہاتھ میں چمکے گا اور دیکھتے ہی دیکھتے تو دم توڑتا اور خون میں لتھڑتا نظر آئے گا۔ جان لے کہ میں عُمرو عیّار امیر حمزہ کا یار اور دُنیا کا چھٹا ہُوا مکّار ہوں۔ روپے پیسے کا لالچ بُہت رکھتا ہوں۔ مگر دُشمنوں کی کروڑوں کی رشوت کو بھی حقیر جانتا ہُوں۔ پس تیرے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ اطاعت یا موت۔ اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کر۔ کیا پسند کرتا ہے؟"

اِجلال جادُو بڑے غور سے تقریر سُنتا رہا۔ ایک ایک لفظ اُس کے دِل میں اُترتا رہا۔ اُس کا دِل گواہی دینے لگا کہ بے شک لقا جھُوٹا خُدا ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو ہرگز عُمرو مجھ پر اتنا قادر نہ ہوتا۔ اُس کے ہونٹ عُمرو نے چپکا رکھے تھے۔ زبان سے کُچھ نہ بول سکتا تھا۔ آخر خُوب سوچ سمجھ کر اُس نے فیصلہ کیا اور سر اور آنکھوں کے اشارے سے کہا: "میں اطاعت قبُول کرتا ہاں۔"

عُمرو نے اِجلال کو ستُون سے کھول کر آزاد کیا۔ اُس نے امیر حمزہ کے سامنے دو

زانو ہو کر اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ کی۔ امیر نے اُسے کلمہ پڑھا کر دینِ ابراہیمی میں داخل کیا۔ اور مالک اژدر جیسے بُلند مرتبہ سردار کے پہلو میں بیٹھنے کی جگہ عطا فرمائی۔ کُچھ دیر تک سارے نامور سردار اُس کے پاس آ آکر بغلگیر ہوتے اور طرح طرح کی اُمّیدوں سے اُس کا دِل بڑھاتے رہے۔ یہ سِلسلہ ختم ہُوا تو امیر حمزہ نے اُس سے مُخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

”اِجلال، اب تم جادُو سے توبہ کر لو۔ جادُو ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ آج سے اپنی قوّتِ بازو، عقل اور خُدا کی مدد کے علاوہ کِسی چیز پر بھروسا نہ کرنا۔ دوست ہو یا دُشمن کسی کے خلاف بھی جادُو سے کام نہ لینا۔“

اِجلال نے امیر کے حکم پر عمل کیا۔ کُل اہل دربار کو گواہ بنا کر جادُو ترک کرنے کا اعلان کیا، جِسم اور لباس پر جادُوگر ہونے کی جتنی بھی علامتیں تھیں اُن سب کو اُسی وقت ہٹا دیا۔ ہر سمت سے مُبارک اور مرحبا کی صدائیں گونجنے لگیں۔

اچانک بارگاہ کا پردہ اُٹھا۔ ایک خُوب صُورت لڑکی بے باکی کے ساتھ اندر آئی اور امیر کی سمت بڑھنے لگی۔ سب خاموش ہو کر اُسے دیکھنے لگے۔ اِجلال نے جو اُس پر نگاہ کی خوشی سے چہرہ دمکنے لگا۔ مگر دُوسرے ہی لمحے غیرت سے اُس کی نگاہیں زمین میں گڑ گئیں۔ آنے والی لڑکی شہزادی نسرین تھی۔ اُسے سامنے پا کر اِجلال کو خُوشی ہوئی تھی مگر پھر اُس کے اِس طرح بے حجابانہ بھرے دربار میں آنے پر شرمندگی بھی محسوس ہونے لگی تھی۔

"اے لڑکی تُو کون ہے؟" امیر حمزہ نے اُس سے سوال کیا۔

"میں حضور کا ادنیٰ چالاک ابنِ عُمرو ہُوں۔" سارے دربار میں سنّاٹا چھا گیا۔ اِجلال حیرت سے مُنہ پھاڑ کے رہ گیا۔ امیر نے سوالیہ نگاہوں سے عُمرو کی طرف دیکھا تو اُس نے جواب دیا۔ "یہ ٹھیک کہتا ہے۔ بے شک یہ نسرین نہیں چالاک ہے۔"

"پھر وہ نسرین کہاں ہے؟" امیر نے پُوچھا۔

”میری زنبیل میں۔ حکم ہو تو نکالوں؟“ عُمرو نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”یہاں نہیں۔“ امیر نے کہا۔ ”کسی باپردہ خیمے میں لے جاؤ۔ میری جانب سے اُسے قیمتی لباس اور زیورات مہیّا کرو۔“

عُمرو نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ شہزادی ہوش میں آ گئی۔ عُمرو نے اُسے سارا حال تفصیل سے بتایا۔ اِجلال جادُو کی موجودگی اور اُس کے دینِ ابراہیمی قبُول کرنے اور جادُو سے توبہ کرنے کی خبر سُنائی۔ اِتنے میں امیر حمزہ بھی آ پہنچے۔ نسرین کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

”بیٹا، تُو مُجھے اپنے باپ کی جگہ سمجھو اور قیدی کی بجائے خود کو میرا مہمان سمجھو۔ مُجھے افسوس ہے کہ عُمرو تُجھے تیری مرضی کے خلاف یہاں لے آیا ہے۔“

لیکن جن حالات میں اُس نے ایسا کیا اُن کا تقاضا یہی تھا۔ اب تُو بالکل فکر نہ کر۔ ہم دُوسروں کی بہو بیٹیوں کو اپنی بہو بیٹی سمجھتے ہیں۔ تو آزاد ہے۔ اگر

چاہے تو میں ابھی عزّت و احترام کے ساتھ تُجھے تیرے باپ کے پاس بھجوا دوں اور اگر پسند کرے تو اِجلال جادُو سے تیرا نکاح کر دوں۔ تم دونوں اپنی مرضی سے میرے پاس ہنسی خوشی زندگی گزارو۔ بہر حال فیصلہ تیرے ہاتھ ہے۔ جیسا چاہے گی ویسا کیا جائے گا۔"

شہزادی نے شرما کر گردن نہوڑالی۔ دِل چاہتا تھا ہاں کر دے مگر زبان سے الفاظ نہ نکلتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کہ امیر مُسکرائے اور اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہُوئے بولے۔ "بٹیا، اس مُعاملے میں شرم کرنا مناسب نہیں۔ صاف صاف جواب دو۔ اگر اِجلال سے نکاح کرنا پسند کرو تو صِرف سر ہلا دو اور باپ کے پاس جانا چاہو تو کھڑی ہو جاؤ۔"

کُچھ دیر شہزادی خاموش بیٹھی رہی۔ پھر اُس نے ہاں کہنے کے انداز میں سر ہلا دیا۔ اُسی وقت امیر نے اُس کا اِجلال سے نکاح پڑھا دیا۔

سُلیمان عنبریں کے کُچھ عیّار جاسوسوں کسی نہ کسی بھیس میں لشکر امیر حمزہ

میں موجود رہا کرتے تھے۔ اُن میں سے ایک اتّفاق سے دربار میں حاضر تھا۔ اِجلال اور شہزادی نسرین کا نکاح ہوتے ہی وُہ دربار سے اُٹھا اور لشکرِ امیر سے نِکل کر سُلیمان کی چھاؤنی جا پُہنچا۔ وہاں لقا، فرامُرز، بختیارک، سُلیمان اور چند اعلیٰ سردار خیمۂ خاص میں بیٹھے جنگ میں ہونے والے نقصانات کا غم غلط کر رہے تھے۔ رہ رہ کر وہ اِجلال جادُو کا ذکر کرتے اور اُس کے آسانی سے گرفتار ہو جانے پر حیرت اور افسوس کا شمار کرنے لگتے۔ جاسوس عیّار نے جب اُنہیں جا کر اصل قصّہ سُنایا تو سب سکتے میں آ گئے۔

بختیارک نے اپنا سر پیٹ لیا اور کہنے لگا۔

"ہم تو اِجلال کے پھسپھسے مُقابلے ہی کر رو رہے تھے، وہاں عُمرو نے اُسے میدانِ جنگ میں پہنچنے سے پہلے ہی قابُو میں کر لیا تھا۔ حد ہو گئی۔ باپ بیٹے دونوں ہماری آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے۔ اِجلال اور شہزادی کو لے اُڑے۔ ہمیں کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ غفلت اور لاپرواہی کا یہی حال رہا تو آج

کل میں ہم بھی سنبھالے جائیں گے۔ یا قیدی بنیں گئے یا بے چارگی میں مارے جائیں گے۔ ایسی ذلّت اُٹھانے سے تو بہتر ہے کہ ہم ہتھیار ڈال دیں یا کہیں دُور بھاگ جائیں۔"

"بختیارک" شاہ سُلیمان غضب ناک ہو کر بیچ میں بول پڑا۔ "ہوش میں آؤ۔ خُداوند کی موجودگی میں ایسی بُزدلانہ باتیں تمہارا ایمان کمزور ہو گیا ہے۔ اِجلال اور شہزادی کا اغوا بے شک افسوسناک ہے لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم دِل چھوڑ دیں۔ خُداوند کی قسم، اب میں زیادہ ہوشیاری اور زیادہ سختی سے مُقابلہ کروں گا۔ اِجلال شہنشاہ افراسیاب کے ساٹھ ہزار فرماں بردار بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ اُس ایک کی ناکامی ہمارے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ میں ابھی شہنشاہ کو خط لکھتا ہوں۔ اطمینان رکھو۔ اب کی وہ کسی ایسے مددگار کو بھیجیں گے جس کے آگے عُمرو کی کُچھ چل سکے گی نہ امیر حمزہ کی۔ دو ہی چار دِن میں ہم شہزادی اور اِجلال کو بھی چھڑا لیں گے اور دُشمنوں کو بھی ایسا سبق دیں گے کہ قیامت تک نہ بھول سکیں گے۔"

سُلیمان عنبریں کی اِس تقریر سے بختیارک نے شرمندہ ہو کر نگاہیں نیچی کر لیں۔ لقا اور فرامُرز کے چہروں پر نظر آنے والی پریشانی غائب ہو گئی۔ سرداروں نے اِطمینان کا سانس لیا۔ سُلیمان نے کاغذ اور قلم دوات طلب کر کے شہنشاہ افراسیاب کو عرضی لکھی جس میں سارا حال عُمرو کی عیّاری اور اِجلال کی گرفتاری کا بیان کر کے مدد کی درخواست کی گئی تھی۔ ہرکارہ یہ عرضی لے کر بھاگم بھاگ سرحدی پہاڑی کی اُس چوٹی پر پُہنچا جہاں طِلسمی نقّارہ رکھا ہُوا تھا۔ نقّارچی نے ہرکارے سے عرضی لے کر نقّارے پر ایک اُونچی سِل پر رکھّی اور چوب اُٹھا کر نقّارے پر ایک زور دار چوٹ لگائی۔ بادلوں کی خوفناک گڑگڑاہٹ جیسی آواز بُلند ہُوئی۔ زمین آسمان گُونجنے لگے۔ یہ گونج ابھی پوری طرح ختم نہ ہو پائی تھی کہ آسمان سے ایک پنجہ تیزی کے ساتھ نیچے آتا دکھائی دیا۔ پھر جس طرح باز اپنے شکار کو لے اُڑتا ہے، اِسی طرح پنجے نے سِل پر رکھّی ہوئی عرضی پر جھپٹا مارا اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان میں جا کر غائب ہو گیا۔ یہ پنجہ شہنشاہ افراسیاب جادُو کا بھیجا ہوا تھا اور

عرضی لینے ہی کے لیے آیا تھا۔

افراسیاب طِلسم باطن کے باغ سیب میں دربار لگائے بیٹھا تھا۔ اُس کے برابر تخت پر ملکہ حیرت جادُو بیٹھی ہوئی تھی۔ افراسیاب کے چار وزیر اُس کے پیچھے اور دو وزیر زادیاں ملکہ کے پیچھے کھڑی رومال اور پنکھے جھل رہی تھیں۔

حیرت کے سامنے ایک درجہ نیچے شہزادی صرصر اپنی چار عیّار بچّیوں کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی۔

طِلسمی پنجے نے سُلیمان کی عرضی افراسیاب کی خدمت میں پیش کی۔ پہلے تو افراسیاب نے خاموشی کے ساتھ اُس پر سرسری نگاہ ڈالی۔ پھر اہلِ دربار کو مُخاطب کر کے اُسے بُلند آواز سے پڑھنے لگا۔ عرضی کا مضمون ختم کر کے وہ کُچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ اِس کے بعد نامور ساحروں اور بادشاہوں کو گھُورتے ہوئے کہنے لگا۔

"دُشمن کی مکّاری اور بہادری اور اِجلال کی گرفتاری کا سارا حال تم سُن چُکے

ہو۔ اِس مُعاملے نے خُداوند لقا کے سامنے میری بات نیچی کر دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جلد سے جلدی داغ دھوڈالا جائے۔ بتاؤ، تُم میں سے کون ہے جو اِس کام کا بیڑا اُٹھائے؟"

افراسیاب نے بات ختم ہی کی تھی کہ ملکہ حسینہ جادُو اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ جوش میں بھرے ہوئے لہجے میں اُس نے کہا: "حضور عالی، کنیز اس مُہم کو سر کرے گی۔ اِجلال آدم کا بیٹا تھا، چوٹ کھا گیا۔ میں حوّا کی بیٹی ہُوں مطلب حاصِل کیے بغیر نہ پلٹوں گی۔ اِجازت دیجیے۔ دُشمن کو سزا دینے کے لیے بے چین ہُوں۔"

افراسیاب نے ملکہ حسینہ کو شاباش کہی اور خلعت عطا کر کے جنگ کے لیے روانہ ہونے کی اجازت دے دی۔ ملکہ حسینہ دربار سے رُخصت ہو کر اپنے مُلک پُہنچی اور جنگی تیّاریوں میں مشغُول ہو گئی۔

اُدھر سُلیمان عنبرین نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب تک افراسیاب کی جانب سے

مدد نہ پُہنچے، جنگ موقوف رکھی جائے۔ چنانچہ دُوسرے دِن جب سورج نِکلا تو نہ اُس کی فوج میدانِ جنگ میں آئی، نہ ہی طبلِ جنگ بجایا گیا۔ اِجلال جادُو کی فوج کو یہ بات بُہت ناگوار گزری۔ کل کی جنگ کے نتیجے میں اُن کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ اور وہ اِجلال جادُو کو چھُڑانے کے لیے بے چین تھے۔ اُنہوں نے شاہ سُلیمان عنبریں کو مجبُور کر کے جنگ کی اِجازت لی اور نرسنگے پھونکتے، منتر پڑھتے، آگ پتھّر اور تیروں کی برسات برسائے میدانِ جنگ میں جاڈٹے۔

امیر حمزہ نے یہ حال دیکھ کر اس فوج کے مُقابلے پر جانا چاہا مگر اِجلال جادُو نے اُنہیں روک دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اِجلال جادُو خُود اپنی فوج کے سامنے کھڑا تھا اور پُکار پُکار کر کہہ رہا تھا۔

"اے میرے وفادارو، مُجھ پر سچائی ظاہر ہو چُکی ہے لقا جھُوٹا خُدا ہے۔ دینِ ابراہیمی سچّا دین ہے۔ اِسی میں میری تُمہاری اور سب کی نجات ہے۔ میں نے

اپنی خُوشی سے یہ دین قبول کر لیا ہے اور اب تُمھیں بھی اِس کی دعوت دیتا ہُوں۔ مُخالفت کا خیال دِل سے نِکال دو۔ لقا پر لعنت بھیجو۔ جادُو سے توبہ کرو۔ اسلام پر ایمان لاؤ۔ امیر حمزہ کی اِطاعت اِختیار کرو۔ بس میں کہہ چکا۔ اب جسے میری بات پسند ہو میرے پاس آجائے۔ ورنہ میدانِ جنگ چھوڑ کر وطن کو واپس ہو جائے۔ یاد رکھو۔ سارا طِلسم ہوش رُبا امیر حمزہ کے ہاتھوں فتح ہونا ہے۔ جو بھی سرکشی کرے گا یا مُقابلے کی ٹھانے گا کہیں پناہ نہ پا سکے گا۔"

اِجلال جادُو کی یہ باتیں سُن کر اُس کی فوج میں سنّاٹا چھا گیا۔ سارے جادُوگر آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کی دلی حالت کا اندازہ لگاتے رہے پھر اک بارگی اُن میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ آدھے آدمی اِجلال شاہ زِندہ باد کے نعرے لگاتے اِس طرف آ گئے۔ آدھے لعنت ملامت کرتے واپس چلے گئے۔ شاہ سُلیمان نے واپس ہونے والوں کو روکنے کے بڑے جتن کیے مگر وہ نہ مانے۔ چھاؤنی سے اپنا ساز و سامان اُٹھا کر اُسی وقت وطن روانہ ہو گئے۔

اِدھر جب اِجلال اپنے وفاداروں کے ساتھ لشکر امیر میں پلٹا تو اُس کا پُر جوش نعروں سے اِستقبال کیا گیا۔ خود امیر نے آگے بڑھ کر اِجلال کو گلے سے لگایا۔ باقی سرداروں اور بہادروں نے اُس کے ایک ایک وفادار سے مُصافحہ کر کے اُن کا دِل بڑھایا۔ چونکہ دُشمن کے حوصلے پست ہو چکے تھے اور وہ جنگ کو ٹالنا چاہتا تھا، اُس لیے امیر نے بھی اپنی فوج کو کمر کھولنے کا حکم دیا اور سارے سرداروں کو خیمہ خاص میں حاضر ہونے کی ہدایت کی۔

تھوڑی ہی دیر میں دربار آراستہ ہو گیا۔ اس موقع پر امیر نے سرداروں کو مُخاطِب کرتے ہُوئے کہا۔

"دوستو، خُدا کا شکر ہے۔ ہم سُرخ رُو ہوئے اور دُشمن کو ذِلّت نصیب ہُوئی۔ اب دُشمن کئی دِن تک ہمیں للکارنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ اِجلال جادُو اور اُس کے وفاداروں کے تابع ہو جانے سے ہماری قُوّت میں بھی اِضافہ ہو گیا ہے۔ اب میں مناسب سمجھتا ہُوں کہ کِسی کو طِلسم ہوش رُبا پر چڑھائی کرنے

کے لیے روانہ کروں تا کہ فتنے کی جڑ کا خاتمہ ہو جائے اور شہزادہ بدیعُ الزّمان کو بھی قید سے چھڑایا جائے۔ تُم بتاؤ۔ اِس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

سات سرداروں نے ہاتھ اُٹھا کر بُلند آواز سے امیر کی تائید کی۔ پھر ہر شخص اِس مُہم پر جانے کے لیے اِصرار کرنے لگا۔ بعض نامور سالار مُہم کی سربراہی کے لیے اپنے اپنے نام پیش کرنے لگے۔ ساتھیوں کا یہ جوش و خروش دیکھ کر امیر مُسکرائے۔ ہاتھ اُٹھا کر سب کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا اور پھر کہنے لگے۔

"تمہارا یہ ولولہ دیکھ کر مُجھے بڑی خُوشی ہو رہی ہے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم میں سے کسی کے دِل میں بھی افراسیاب اور اس کی جادُوئی شان و شوکت کا معمولی سا بھی خوف نہیں ہے لیکن اِس سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ میرے ساتھ یہاں رہتے ہُوئے دشمن کا مقابلہ کرنا تمہارے نزدیک کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ مُناسب بات نہیں۔ یاد رکھو دُشمن کی یہ چھاؤنی

ایک سمندر جیسی ہے۔ ایسا سمندر جس میں بہُت سے دریا آ کر گرِتے ہیں۔ طلِسم ہوش رُبا پر فوج کشی کا مقصد یہ ہے کہ اِن دریاؤں کے سوتوں کو خُشک کر دیا جائے لیکن خُشک ہونے سے پہلے یہ دریا جتنا پانی سمندر میں جمع کرتے رہیں گے اُسے تلوار کی آنچ سے بھاپ بنا کر اُڑا دینا بھی بہُت بڑا کام ہے۔ مطلب یہ کہ ہمیں دونوں کی جانب توجہ دینا ہے اور دونوں ہی کی اہمیت کو پوری طرح محسوس کرنا ہے۔ تُم میں سے کُچھ کو میں ضُرور طلِسم ہوش رُبا کی فتح کے لیے روانہ کروں گا، مگر وہ لوگ کون ہوں؟ اِس کا میں نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔"

اِتنا کہہ کر امیر حمزہ کُچھ دیر خاموش رہے اور پھر حکیم بزُرجمہر کے بیٹوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولے۔ "دانا باپ کے دانا بیٹو، یہ فیصلہ تُم کرو گے۔ فال، رمل اور نجوم کا کمال تمہیں ورثے میں ملا ہے۔ ذرا حساب کر کے بتاؤ کہ افراسیاب کِس جادُوگر کے ہاتھوں مارا جائے گا؟ طلِسم ہوش رُبا کون فتح کرے گا؟"

بزُرجمہر کے تینوں فرزند امیر کا یہ ارشاد سُن کر اپنی نشستوں سے اُٹھے، سر جھکا کر تعظیم کی اور پھر اپنی جگہ بیٹھ کر حساب لگانے لگے۔ دربار میں سنّاٹا چھا گیا۔ کُچھ دیر تینوں بھائی الگ الگ حساب لگاتے رہے۔ پھر سب سے چھوٹے نے منجھلے بھائی کے سامنے خامُوشی سے اپنا کاغذ بڑھا دیا۔ منجھلے نے ایک نگاہ اُس پر ڈالی اور اپنے کاغذ سمیت اُسے بڑے بھائی کے سامنے رکھ دیا۔ بڑے بھائی نے اپنے اور دونوں چھوٹے بھائیوں کے کاغذات سامنے رکھے۔ بعض حسابوں کی جانچ کی اور پھر اِطمینان کے ساتھ اِسی طرح نشست سے اُٹھ کھڑا ہوا جیسے وہ کسی نتیجے پر پہنچ گیا ہے۔ سارے لوگ اُس کی طرف مُتوجّہ ہو گئے۔ آخر امیر کا اشارہ پا کر اُس نے کہا۔

"غیب کا سچّا حال خُدا کے سوا نہ کوئی دوسرا جانتا ہے نہ جاننے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ ہم گناہ گار بندے ہیں۔ صرف اُس کے بخشے ہوئے علم پر دارو مدار رکھتے ہیں۔ ہماری عقل ناقص ہے۔ نہ سارے علم کو اپنے اندر سما سکتی ہے نہ حساب کتاب میں بھُول چُوک سے خالی ہو سکتی ہے، پھر بھی اپنے اِطمینان کی

حد تک ہم نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ نتیجہ نکالنے میں اپنی جانب سے نہ کوئی بات گھٹائی نہ جوڑی۔ ہمارا حساب کہتا ہے کہ طِلسم ہوش رُبا آپ کے نواسے، اسد بن کرب غازی کے ہاتھوں فتح ہو گا اور افراسیاب کا کام بھی اُسی کے ہاتھوں تمام ہو گا لیکن پانچ عیّاروں کا بھی اس مُہم پر جانا ضروری ہو گا۔ اِن میں سے ایک شہزادہ اسد کا اپنا عیّار ضرغام شیر دِل ہے۔ دوسرے عیّار کا نام مہتر قِران ہے۔ چوتھے کا نام برق فرنگی نکلا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور گھبرائی ہوئی نگاہوں سے امیر حمزہ کی سمت دیکھنے لگا۔

امیر حمزہ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ "پانچویں عیّار کا نام تُم نے نہیں بتایا۔ کیا بات ہے؟"

اُس نے ادب سے سر جھُکاتے ہوئے کہا۔ "یا امیر، پانچویں عیّار کا نام میں اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکتا ہُوں۔ بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اُس کے نام کا پہلا حرف 'ع' ہے۔"

وہ اِتنا ہی کہہ پایا تھا کہ عُمرو تلملا کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور امیر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''یہ حکیم زادہ ڈنڈی مار رہا ہے۔ اِن تینوں میں سے ایک بھائی کا بھی اس مہم پر جانا ضُروری ہے۔''

''دیکھ لیا امیر؟'' بزُرجمہر کے بڑے بیٹے نے کہا۔ ''اسی لیے میں اِن کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اب یہ انتقام میں خواہ مخواہ ہمیں بھی اپنے ساتھ گھسیٹ رہے ہیں۔''

دونوں آپس میں الجھنے لگے تو امیر نے انہیں خاموش کیا اور اسد بن کرب غازی سے کہنے لگے ''بیٹا، مبارک ہو۔ مُہم کی سربراہی تمہارے نام نِکلی ہے۔ اب تم کل صُبح ہی اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔ چالیس ہزار سوار کافی ہوں گے۔ خُدا تمہیں سُرخرو کرے گا۔''

شہزادہ اسد نے اُٹھ کر تعظیم کی اور بولا۔ ''ناناجان، مُجھے اپنی اِس خوش قسمتی پر ناز ہے۔ انشاء اللہ کل سُورج نکلنے سے پہلے مہم پر روانہ ہو جاؤں گا۔ اِجازت

دیجیے کہ جا کر تیّاری کروں۔"

امیر نے شہزادہ اسد کو قریب بُلا کر اُس کی پیشانی کا بوسہ لیا اور سر پر شفقت کا ہاتھ پھیر کر اُسے رُخصت کیا۔ اس کے بعد چاروں عیّار اپنی جگہ سے اُٹھ کر امیر کے پاس آئے۔ امیر نے تعریفیں کر کے اُن کا دِل بڑھایا اور خزانچی کو دس لاکھ روپے مہیّا کرنے کا حکم دیا۔ یہ سُن کر عُمرو بھی چاروں عیّاروں کے برابر جا کھڑا ہوا۔ امیر نے ایک ایک لاکھ کی تھیلی چاروں عیّاروں کو اور چھ لاکھ کی تھیلی عُمرو کو دے کر مہم پر جانے کی ہدایت کی۔ عُمرو نے تھیلی زنبیل میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "یا امیر، یہ آپ نے خواہ مخواہ زحمت کی۔ روپے پیسے کا مُجھے بالکل بھی لالچ نہیں۔ البتّہ چُونکہ فرزند آپ کا طِلسم میں قید ہے۔ اِس لیے ضُرور جاؤں گا اور اُسے آزاد کراؤں گا۔ لیکن مُجھے یہ بالکل پسند نہیں کہ آپ میرے شاگردوں کو روپیہ دے کر خراب کریں۔"

یہ کہہ کر اُس نے چاروں عیّاروں کے ہاتھوں سے تھیلیاں چھین کر اپنی زنبیل

میں ڈال لیں اور اُن کو جھاڑ پلاتا بولا۔ ”عیّار بچّو، کیا تمہاری مت ماری گئی ہے؟ مہم پر جاؤ گے اور اُس کا خرچہ بھی ساتھ لے جاؤ گے؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔ جہاں جاؤ وہی کماؤ ورنہ عیّاری سے ہاتھ اُٹھاؤ۔“

وہ بے چارے سٹپٹا کر رہ گئے۔ بعد میں عُمرو کو رُخصت کر کے امیر نے اُنہیں چُپکے سے الگ رقم دی اور منع کر دیا کہ عُمرو کو پتہ نہ چلے۔ چاروں عیّار امیر کو دعائیں دیتے دربار سے رُخصت ہوئے اور اپنے اپنے خیموں میں جا کر سفر کی تیّاری کرنے لگے۔

طلسمی باغ

دوسرے دِن پو پھٹتے ہی شہزادہ اسد بن کرب غازی نے کوچ کا نقّارہ بجوایا۔ اس کے مُنتخب کیے ہوئے چالیس ہزار شہسوار ہر طرح تیّار تھے۔ سب نے مل کر نعرۂ تکبیر بُلند کیا اور اِشارے کے مُطابق چل کھڑے ہوئے۔ سج دھج، ساز وسامان اور آن بان اِس لشکر کی دیکھنے سے تعلّق رکھتی تھی۔ سارے سوار جُملہ ہتھیاروں سے لیس اور زرہ بکتر اور خود سے آراستہ تھے، گھوڑے اُن کے تازہ دم اور تیز وطرار تھے۔ سینکڑوں خچّر، اونٹ اور ہاتھی ڈیرا خیمہ اور رسد سے لدے پھندے ساتھ تھے۔ پرچم اور نشان لہراتے، نقّارے اور نفیری بجاتے وہ سب اِس شان کے ساتھ مارچ کر رہے تھے کہ دیکھنے والوں کے سینے جوش سے پھول جاتے تھے۔ طبیبوں اور جراحوں سے لے کر گانے والوں

تک اور خیمہ دوزوں اور لوہاروں سے لے کر بیلداروں، سقّوں اور باورچیوں تک ہر طرح کے پیشہ وروں اور خدمت کاروں کی ضُروری تعداد اِس فوج میں شامل تھی۔

امیر حمزہ اپنے فرزندوں اور سرداروں کے ساتھ ایک کُشادہ مقام پر کھڑے ہو کر اِس فوج کو گُزرتا دیکھتے رہے۔ دِل ہی دِل میں اُس کی کامیابی اور فتح مندی کی دُعائیں مانگتے رہے۔ شہزادہ اسد جب اس مقام سے گُزرا تو امیر کو دیکھتے ہی گھوڑے سے چھلانگ لگا کر اُتر پڑا اور امیر کے قدموں سے لپٹ گیا۔ امیر نے اُسے اُٹھا کر سینے سے لگایا۔ اِسم اعظم پڑھ کر سینے پر دم کیا۔ کُچھ دیر سفر و قیام، جنگ و صُلح اور نامہ و پیام کے بارے میں ہدایت و تاکید کرتے رہے۔ پھر دِل پر ہاتھ رکھ کر اُسے رخصت کیا۔

جب شہزادہ اسد کی فوج کا آخری سوار بھی امیر کے سامنے سے گزر گیا تو بے ساختہ امیر کے مُنہ سے ہلکی سی آہ نکل گئی۔ چند لمحے بعد پانچ چُست و چالاک

شخص شہزادے کی فوج کا پیچھا کرتے اُدھر سے گزرے۔ وہ سب ہرنوں کی طرح چھلانگیں لگاتے ہوئے آ رہے تھے۔ ان سب کے سروں پر اُونچی رنگین ٹوپیاں تھیں۔ جن کے گرد کمندیں بندھی ہوئی تھیں۔ کاندھوں پر ایک جانب گوپھنیں لٹک رہی تھیں۔ دوسری جانب پتھروں سے بھری ہوئی جھولیاں تھیں۔ اور ایک ایک تھیلا ہر ایک کی گردن سے لٹک رہا تھا جو طرح طرح کی خُدا جانے کن چیزوں سے بھرا ہُوا تھا۔ ان پر نگاہ ڈالتے ہی امیر نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اُسی لمحے ان لوگوں نے امیر کو دیکھا۔ راستہ چھوڑ کر اک بارگی وہ اُن کی طرف مُڑ گئے۔ سب سے آگے جو شخص تھا وہ آتے ہی امیر کے قدموں سے لپٹ گیا۔ وہ امیر کا یار وفادار عُمرو عیّار تھا۔ دوسرے چار آدمی اُس کے وہی شاگرد تھے جو طِلسم ہوش رُبا کی مہم کے لیے نامزد ہو چکے تھے۔ امیر نے عُمرو کو قدموں سے اُٹھا کر سامنے کھڑا کیا تو اس کے چہرے کو آنسوؤں سے تر پایا۔ اُن کا بھی دِل بھر آیا۔ اُسے گلے سے لگاتے ہی اُن کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ سچ ہے ایسے موقع پر محبّت آنسوؤں ہی

سے پہچانی جاتی ہے۔ جس نے بھی ان دونوں دوستوں کو اشک بار دیکھا اپنے آنسو نہ روک سکا۔ بالآخر دِل پر قابو پا کر وہ ایک دوسرے سے الگ ہوئے۔ عُمرو کے شاگردوں کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے امیر نے ان کے دِل بڑھانے کی باتیں کیں۔ کامیابی کی دعائیں دی اور پھر ہنسی خوشی سب کو الوداع کہا۔ عُمرو سیت پانچوں عیّاروں نے جھک کر امیر کو سلام کیا اور رخصت ہو کر پہلے کی طرح طرّارے بھرتے شہزادے کے لشکر کے پیچھے ہو لیے۔

دُشمن کی چھاؤنی سے دُور دُور، وہ سب ایک بڑا چکر کاٹ کر صحرا میں جا نکلے۔ یہ وہی صحرا تھا جہاں شہزادہ بدیعُ الزّمان پہلی بار گرفتار ہوا تھا۔ وہاں سے شہزادہ اسد اپنے لشکر سمیت سیدھا طِلسم ہوش رُبا کی سرحد کی سمت روانہ ہوا۔ پانچوں عیّار وہیں ٹھہر گئے۔ جب شہزادے کا لشکر ان کی نگاہوں سے روپوش ہو گیا تو عُمرو نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم سمجھ گئے کہ میں نے تمہیں شہزادے کے ساتھ جانے سے کیوں روکا ہے؟“

دوسرے خاموش رہے۔ برق فرنگی بول اٹھا "جی ہاں، آپ کا مطلب شاید یہ ہے کہ ہمیں اُن سے الگ رہ کر دوسری سمت جانا چاہیے تاکہ اگر وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوں تو ہم بچے رہیں اور ان کی مدد کر سکیں۔"

"شاباش" عُمرو نے برق فرنگی کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تم بہت سمجھ دار ہو۔ اچھا بتاؤ، اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

ضرغام شیر دِل نے جواب دیا۔ "ہم سب کو پہاڑوں کا چکّر کاٹ کر طلِسم ہوش رُبا میں داخل ہونا چاہیے۔"

"احمق کہیں کے۔" عُمرو نے اسے ایک دھپ لگاتے ہوئے کہا "گویا تم چاہتے ہو کہ ہم سب اکٹھے اور ایک ہی طرف سے وہاں پہنچیں؟"

"نہیں اُستاد۔" برق فرنگی پھٹ سے بولا۔ "طلِسم ہوش ربا خطرناک اور اجنبی ملک ہے۔ اکٹھا جانا کسی صورت سے مُناسب نہیں۔ ہم سب کو الگ الگ رستے لینے چاہیں۔"

مہتر قِران اور اُس کے بیٹے جاں سوز نے ایک ساتھ کہا۔ ''بہتر یہی ہے اُستاد۔ ہم بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔''

''اچھا تو خدا حافظ۔'' عُمرو نے اُنہیں رُخصت ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''سب الگ الگ راستوں پر چل دو۔ زندہ رہے تو جلد ملیں گے۔''

چاروں شاگرد مختلف سمتوں کو چل دیے۔ کُچھ دیر عُمرو اسی جگہ کھڑا ہو کر سب کو جاتا دیکھتا رہا۔ جب وہ اس کی نگاہوں سے غائب ہو گئے تو اس نے بھی ایک جانب قدم بڑھایا اور ہرنوں کی طرح چھلانگیں لگاتا صحرا میں غائب ہو گیا۔

اُدھر شہزادہ اسد چلتے چلتے اُس پہاڑ کے نیچے جا پہنچا جو ملک عقیق اور طِلسم ہوش رُبا سرحد پر تھا اور جس کی چوٹی پر طِلسمی نقّارہ رکھا رہتا تھا۔ نقّارچی کی نظر شہزادہ اسد اور اس کے لشکر پر پڑی تو وہ پہاڑ کی چوٹی پر سے چلّایا۔ ''خبردار اے نوجوان، تُو جو کوئی بھی ہے یہیں سے واپس پلٹ جا۔ درّے کی جانب

بڑھنے سے باز آ۔ جان لے کہ پہاڑ کے اِس پار مُلکِ افراسیاب ہے۔ بڑے سے بڑا سورما بھی بغیر اجازت وہاں جانے کی نہیں سوچتا اور جو یہ جرأت دِکھاتا ہے پلٹ کر واپس نہیں آتا۔ اپنی اور اپنے لشکر کی خیر چاہتا ہے تو جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جا۔ ایک قدم بھی یہاں سے آگے نہ بڑھا۔"

شہزادہ اسد نے للکار کر جواب دیا۔ "او لقا کے غلام، مُنہ کو لگام دے۔ نہیں جانتا کہ میں امیر حمزہ کا نواسا اسد بن کرب غازی ہوں۔ بڑھا ہُوا قدم واپس لینا ہمارے خاندان کا دستُور نہیں۔ آگاہ ہو کہ طلِسم افراسیاب کو فتح کرنے جاتا ہوں۔ تیری دھمکیوں کو کب خاطر میں لاتا ہوں۔ اگر روک سکے تو روک لے۔ ورنہ اپنے طلِسم کے محافظوں کو بُلا لے۔"

یہ کہہ کر شہزادہ اسد اپنے سپاہیوں سے مُخاطِب ہوا۔ "اے غازیو، دِل سے وسوسوں کو دُور کرو۔ درّہ تنگ ہے۔ دو دو کی قطار میں آگے بڑھو۔"

بس یہ چند لفظ ہی کام کر گئے۔ مجاہدوں کے دِل جوش سے بھر گئے۔ سب نے

مل کر اِکبارگی نعرۂ تکبیر کا غلغلہ بلند کیا۔ نعرے کی گونج نے پہاڑ کے سلسلے سے ٹکرا کر صدائے بازگشت پیدا کی۔ زمین و آسمان کانپ اُٹھے۔ غازیوں کے حوصلے بڑھے۔ سب سے پہلے شہزادہ اسد نے اپنا گھوڑا درّے میں داخل کیا۔ اس کے پیچھے اس کا لشکر بے خوف ہو کر دو دو کی قطار میں چلا۔ یہ لشکر ابھی پہاڑوں میں تھا کہ طلِسمی نقارے گونج اُٹھے۔ افراسیاب کو خبر ہو گئی۔ اس نے فوراً ہی سرحدی ملکوں کے ماتحت بادشاہوں کو احکام جاری کر دیے کہ ہوشیار ہو جائیں۔ حملہ آوروں پر کڑی نظر رکھیں۔ جیسے ہی اُنہیں اپنی حد میں پائیں گرفتار یا ہلاک کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ دکھائیں۔

شہزادہ اسد کو یقین ہو گیا تھا کہ اُسے ٹوکنے والا نقّارچی طلِسم ہوش رُبا کے سرحدی محافظوں کو ہوشیار کر دے گا اور وہ اس کا راستہ روکنے کی کوشش کریں گے لیکن اس کا خیال تھا کہ یہ مقابلہ پہاڑوں کے اُس پار ہی پیش آئے گا۔ درّے کے اندر کافی دُور تک چلتے رہنے پر جب اسے کہیں کوئی خطرہ نظر نہ آیا تو اس کا یہ خیال اور بھی مضبوط ہو گیا۔ اِحتیاط کی وجہ سے وہ اب تک

بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ لیکن اِس کے بعد اُس نے رفتار تیز کر دی۔

دُور دُور تک پہاڑ ہی پہاڑ نظر آ رہے تھے اور وہ جلد از جلد اِس خطرناک علاقے کو پار کر جانا چاہتا تھا۔ دوپہر تک وہ بے کھٹکے تیزی کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ تقریباً آدھے سے زیادہ فاصلہ طے ہو چکا تھا۔ درّہ بھی اب پہلے سے زیادہ چوڑا ہو گیا تھا۔ رفتار اور بڑھا دی گئی۔ شہزادے اور اس کے لشکریوں کے دلوں سے سارے رہے سہے اندیشے جاتے رہے تھے۔ جلد سے جلد درّہ طے کر جانے کے علاوہ ان کے ذہنوں میں کوئی دُوسرا خیال نہ تھا۔

اچانک ایک کشادہ وادی اُن کے راستے میں آگئی۔ شہزادے نے اسے غنیمت سمجھا۔ لشکر کا جائزہ لینے کے ارادے سے وہ اگلے درّے کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔ لمبی اور پُر پیچ قطار میں آنے والے سوار اُس کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑے ہوتے گئے۔ پیچھے والوں کی شہزادے کو خاص فکر تھی۔ کُچھ دیر بعد جب سارا لشکر اکٹھا ہو گیا اور گنتی کرنے پر سوار اور باربردار پورے نکلے تو

شہزادے کو اطمینان ہو گیا۔ سرداروں کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"ساتھیو، خُدا کا شکر ہے خطرناک راستے کا اِتنا حصّہ ہم نے خیریت سے طے کر لیا۔ آگے کا پہاڑی سلسلہ کُچھ زیادہ بڑا نہیں معلُوم ہوتا۔ انشاء اللہ ہم اس سے جلد گزر جائیں گے۔ دُشمن کا دُور دُور تک نشان نہیں مِلتا۔ مگر یہ ممکن ہے کہ جیسا ہی اگلا درّہ پار کر کے ہم کھلے میدانی علاقے میں پہنچیں، اُسے اپنے سامنے پائیں۔ لہٰذا ہوشیار رہنا۔ پہاڑی سلسلہ ختم ہوتے ہی صفیں باندھ لینا۔ بس آؤ چلیں۔ شام ہونے سے پہلے ہمیں پہاڑوں سے نکل جانا چاہیے۔ پہلے کی طرح دو دو کی قطار میں میرے پیچھے آؤ۔"

اِتنا کہہ کر شہزادے نے گھوڑے کو موڑا۔ لیکن ابھی وہ مُشکل سے دو قدم درّے کی طرف بڑھا تھا کہ اِکبارگی سہم کر کھڑا ہو گیا۔ بادلوں کے گرجتے اور بجلیوں کے کڑکنے کی ایسی ہولناک آوازیں گونج اُٹھی تھیں کہ گھوڑوں کے علاوہ لشکر کے سارے سواروں کے بھی دِل کانپ اُٹھے تھے۔ شہزادے نے

سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ اُس کی حیرت کی اِنتہا نہ رہی۔ سورج پہلے کی طرح صاف چمک رہا تھا۔ آسمان پر بادل کا کوئی تھوڑا سا بھی ٹکڑا موجود نہ تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ گرج کی آوازیں جادُو کی تھیں۔ لشکر کو پیچھے آنے کا اشارہ دے کر اُس نے بے خوفی کے ساتھ گھوڑے کر پھر آگے بڑھایا۔

ایک بار پھر ہولناک گرج اور کڑک کی آوازیں گونجنے لگیں۔ لشکر کے بُہت سے گھوڑے پھر سہم کر رُک گئے۔ شہزادہ قدم قدم آگے بڑھتا رہا۔ تیسری بار پھر ویسی ہی آوازیں بلند ہوئیں مگر اس بار کسی نے اِس کا اثر نہ لیا۔ سواروں کی قطاریں شہزادے کے پیچھے پیچھے چلتی رہیں۔ درّہ شہزادہ کے اور قریب ہوتا گیا۔

اچانک شہزادے کو محسوس ہوا کہ وہ چاروں جانب سے دُشمن کے نرغے میں آ گیا ہے۔ وادی کے دائیں بائیں آگے پیچھے، ہر سمت سے زبردست نعرے بُلند ہو رہے تھے۔ خبر دار ہتھیار ڈال دو۔ ”خبر دار! شہنشاہ افراسیاب زندہ

باد۔" ایسا لگتا تھا جیسے دشمن کے لاکھوں سپاہی پہاڑوں کی اوٹ میں موجود ہیں اور اگر ان کے حکم کی تعمیل نہ کی گئی تو وہ ہر طرف سے ٹوٹ پڑیں گے۔

شہزادے نے جوش میں آکر تلوار کھینچ لی۔ لشکر کو چوکھی لڑائی لڑنے اور دُشمن کا حملہ روکنے کا اشارہ دیا اور صبر کے ساتھ دُشمن کے سامنے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ نعرے بند ہو چکے تھے۔ ہر سمت خاموشی تھی۔ ایک ایک لمحہ پہاڑ جیسا گزر رہا تھا۔ کُچھ دیر یونہی سنّاٹا رہا۔ جہاں جہاں تک نگاہیں کام کرتی تھیں کوئی چیز حرکت کرتی نہ دکھائی دیتی تھی۔ شہزادے سے ضبط نہ ہو سکا وہ للکارا۔ "بُزدِل دشمنو، سامنے آؤ۔ ہم لڑنے کو تیّار ہیں۔"

جواب میں سوائے اُس کے لفظوں کی گونج کے نہ کوئی دوسری آواز سنائی دی اور نہ دُشمن کی کسی جانب کوئی حرکت محسوس ہوئی۔ شہزادے کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ سوچنے لگا "کہیں نعروں کی یہ آوازیں بھی جادُو کا شعبدہ نہ ہوں۔ دُشمن نے ہمیں ڈرانے اور اِس وادی میں روکے رہنے کے لیے یہ ڈھونگ رچایا ہو۔

بہر حال یہ جگہ خطرناک ہے۔ نہ پانی ہے نہ پناہ۔ جس طرح بھی ہو ہمیں یہاں سے نکلنا چاہیے۔" یہ سوچ کر اس نے اپنے سرداروں کو حکم دیا۔ "ڈھالیں سر پر لو۔ چاروں طرف سے چوکنّا رہتے ہوئے میرے پیچھے آؤ۔ حملہ ہو جائے تو بھی لڑتے بھڑتے پہاڑوں سے باہر نکلنے کی کوشش کرو۔"

یہ ہدایت دے کر شہزادے نے پھر اپنا گھوڑا درّے کی طرف بڑھایا۔ اُس کا لشکر بھی حرکت میں آ گیا۔ وہ چند ہی قدم چلے ہوں گے کہ اِکبارگی پھر ہر جانب سے دشمن کے نعرے گونجنے لگے۔ "خبردار! ہتھیار ڈال دو۔ تُم گھیرے میں آ چکے ہو۔ شہنشاہ افراسیاب زندہ باد۔"

شہزادہ اور اس کا لشکر ایک بار پھر ٹھٹک گیا۔ پہاڑوں میں پھر پہلے کی طرح سنّاٹا چھا گیا۔ دشمن کا کوئی فرد کسی جانب سے حرکت کرتا نظر نہ آیا۔ چند لمحے خاموشی سے اِنتظار کرنے کے بعد شہزادے نے پھر لشکر کر کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ دشمن کے نعرے پھر گونج اُٹھے۔ شہزادہ احتیاط کے ساتھ درّے

میں داخل ہو گیا۔ اُس وقت سے لے کر پہاڑی سلسلہ پار کر جانے تک دُشمن کے نعرے اِسی طرح بار بار گونجتے رہے لیکن پھر شہزادہ یااُس کے لشکر کا کوئی شخص کہیں نہ رُکا۔ سُورج ڈھلتے ڈھلتے وہ خیریت کے ساتھ پہاڑی سلسلے سے نکل گئے۔

اب اُن کے سامنے ایک سر سبز و شاداب میدانی علاقہ دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ شہزادے نے ایک بار پھر خُدا کا شکر ادا کیا، لشکر کو یکجا کر کے صفیں آراستہ کیں۔ اور جنگی حالت میں احتیاط کے ساتھ پیش قدمی کرنے لگا۔ دشمن کی فوج کا کوسوں کہیں پتانہ تھا اور اس بات پر شہزادے کو سخت تعجّب ہو رہا تھا۔ رہ رہ کر اب اُس کے دِل میں یہ اندیشہ چٹکیاں لینے لگا کہیں دُشمن اِرد گرد تاک میں نہ ہو؟ رات کے اندھیرے کا منتظر ہو اور شب خون مارنے کی سوچ رہا ہو۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ شہزادہ پڑاؤ ڈالنے کے لیے کسی مناسب جگہ کی تلاش

میں تھا۔ اِتفاقاً چلتے چلتے وہ ایک باغ کے سامنے جا پُہنچا۔ باغ کا دروازہ سنگ مرمر کے پتھروں کا بنا ہوا تھا اور پھاٹک چاندی کی سلاخوں کا تھا۔ دائیں بائیں اُونچے اور ہرے بھرے گنجان درختوں کا سلسلہ دُور دُور تک چلا گیا تھا۔ صاف معلُوم دیتا تھا کہ یہ کسی بڑے بادشاہ کا باغ ہے مگر حیرت کی بات تھی کہ ایک تو پھاٹک کھلا ہوا تھا دوسرے آس پاس کہیں بھی کسی محافظ یا پہرے دار کا کوئی وجود نہ تھا۔ سرداروں کے مشورے پر شہزادہ بے دھڑک اندر داخل ہو گیا۔

باغ اندر سے بہُت کُشادہ تھا۔ لاتعداد درخت ہر قسم کے پھلوں اور میوؤں سے لدے کھڑے تھے۔ رنگ برنگے پھولوں کی کیاریاں اِدھر اُدھر بہار دے رہی تھیں۔ چار گوشوں پر چار بڑے بڑے تالاب تھے جن میں رنگ برنگی چھوٹی بڑی مچھلیاں، بطخیں اور مُرغابیاں تیر رہیں تھیں۔ باغ کے بیچوں بیچ سنگ مرمر کا ایک بڑا سا چبوترا بنا ہوا تھا جس کے بیچ میں ایک خُوب صُورت سی بارہ دری تھی۔

شہزادے کے سپاہیوں نے باغ کا کونا کونا چھان مارا۔ دُشمن کا ایک بھی آدمی وہاں موجود نہ تھا، کُچھ سپاہی اِرد گرد کا جائزہ لینے کے لیے باغ کے باہر چاروں طرف بھیجے گئے۔ اُنہیں دُور دُور تک نہ کوئی بستی دکھائی دی نہ دشمن کی کوئی چھاؤنی۔ کوئی ایسی جگہ بھی انہوں نے نہ پائی جہاں دشمن چھُپ سکتا اور ان کے لیے خطرہ بن سکتا۔

ہر طرح کا اطمینان کر لینے پر شہزادے نے لشکر کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے باغ کے صحن میں خیمے اور شامیانے کھڑے ہونے لگے۔ رات گزارنے کا سامان کھولا جانے لگا۔ کھانے پکانے کے انتظام کیے جانے لگے۔ مشعلیں اور قندیلیں روشن ہونے لگیں۔ وہ باغ جو چند لمحے بیشتر ویران و سُنسان دکھائی دیتا تھا، زندگی کی رونقوں سے بھرپور ہو گیا۔

شہزادے کے قیام کے لیے بارہ دری کو آراستہ کیا گیا۔ سنگ مرمر کے چبوترے پر شامیانے لگا کر ارد گرد قناتیں کھڑی کر دی گئیں۔ اندرونی طور پر

بھی قناتیں لگا کر چبوترے کو چار حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک حصّہ صحن ٹھہرایا۔ دوسرا طعام خانہ۔ تیسرا خدمت گاروں کے لیے مقرر ہوا اور چوتھا دربارِ خاص کے لیے۔ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر شہزادے نے دربارِ خاص میں سرداروں کو طلب کیا۔ کافی دیر تک سب مل جل کر آیندہ کی پیش قدمی کے پروگرام طے کرتے رہے۔ احتیاط اور دُور اندیشی کے لحاظ سے سب نے اس بات سے اتفاق کیا کہ پورے لشکر کو چار حصّوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ دس دس ہزار کا لشکر یہاں ہے ہر روز ایک ہی سمت کو روانہ ہو اور شہزادہ آخری لشکر کے ساتھ ہو۔ جب تک کوئی بُہت بڑا معرکہ درپیش نہ آئے، سارے لشکر ایک ایک دِن کے فاصلے پر رہتے ہوئے اسی طرح آگے بڑھتے رہیں۔ البتہ تیز رفتار ہرکاروں کے ذریعے آپس میں ہر وقت رابطہ قائم رکھیں اور ایک دوسرے کو حالات سے باخبر کرتے رہیں۔ یہ سارے فیصلے کرنے کے بعد شہزادے نے دربار برخاست کیا۔

اِس موقع پر ایک عجیب بات ہوئی جیسے ہی شہزادے نے دربار برخاست

کرنے کا اعلان کیا، چاروں سمت سے مِلے جلے قہقہوں کی آواز بلند ہوئی۔ سب نے چونک کر ایک دوسرے کو غور سے دیکھا۔ آواز باہر سے آئی تھی مگر پھر چونکہ فوراً خاموشی بھی چھاگئی تھی اس لیے وہ سمجھے کہ اِرد گرد کے سپاہی کسی بات پر ہنسے ہوں گے۔ کسی نے اسے غیر معمولی یا پُراسرار معاملہ نہ سمجھا۔ شہزادے کو سلام کرکے سارے سردار وہاں سے رخصت ہوگئے۔

اس رات سونے سے پہلے لشکر کے کئی سرداروں اور سپاہیوں کو قہقہے کی طرح کی کئی عجیب باتیں پیش آئیں۔ ان میں سے ہر بات انہیں اسی طِلِسمی باغ سے ہوشیار کرنے کے لیے کافی تھی۔ مگر آرام پسندی نے مت مار دی۔ کسی نے ان پر توجہ نہ دی۔

ایک سردار کو جب بستر پر لیٹے ہی گھنگھروؤں کی چھما چھم سنائی دی تو پہلے تو وہ چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ مگر جب آواز بند ہو گئی تو وہ اسے اپنا وہم سمجھ کر سو گیا۔ دوسرے سردار کو ایک درخت کی بڑی شاخ بالکل اژدھے کے روپ میں ہلتی

اور زبان لپلپاتی دکھائی دی، وہ سہم گیا۔ چند لمحے بعد وہ شاخ اُسے پھر پہلے جیسی دکھائی دینے لگی۔ جب ایک ساتھی سے اُس نے یہ بات کہی تو اُس نے اُس کا مذاق اُڑایا۔

گھوڑوں کے قریب لیٹے ہوئے سپاہیوں میں سے ایک نے اچانک ایک گھوڑے کو پروں کے ساتھ اُوپر اُڑتے ہوئے دیکھا۔ اُس کی چیخ نکل گئی مگر جب اس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے اُڑتے ہوئے گھوڑے کی طرف اشارہ کیا تو وہ غائب تھا۔ سب نے اُسے پاگل ٹھہرایا۔

پھلواری کے قریب کے ایک سپاہی کو ایک پودے کے پھول کبھی بڑے اور کبھی چھوٹے ہوتے دکھائی دیئے مگر اس نے اسے اپنی نظر کا دھوکا قرار دیا اور کروٹ بدل کر سو گیا۔

آدھی رات کے بعد ہوا میں ایسی بھینی بھینی خوشبو شامل ہو گئی کہ جاگنے اور پہرا دینے والے سپاہی بھی بے ہوشی کی نیند سو گئے۔ اس کے بعد دیکھتے ہی

دیکھتے باغ کے ہر درخت اور پودے کی ہر شاخ دیو پیکر اژدھوں میں تبدیل ہوگئی اور یہ اژدھے آن واحد میں شہزادہ اسد کے سوا اُس کے سارے لشکر اور سازوسامان کو سانس میں گھسیٹ کر نِگل گئے۔

شہرِ ناپُرساں

شہزادہ اسد سو کر اُٹھا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ باغ، درخت، پھلواریاں، چبوترہ اور بارہ دری ہر چیز جُوں کی توں موجود تھی مگر اس کے لشکر اور ساز و سامان کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پہلے تو وہ سمجھا شاید خواب دیکھ رہا ہوں۔ پھر جب بار بار آنکھیں مل کر دیکھنے کے باوجود وہی حال نظر آیا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ کبھی خیال کرتا سارا لشکر آگے کوچ کر گیا ہو گا۔ کبھی خیال کرتا آیندہ کی کٹھن منزلوں کی دہشت سے واپس چلا گیا ہو گا۔ دونوں صورتوں میں یہ بات اُس کے دِل کو بالکل نہ لگتی کہ اُسے تنہا اور سوتا ہوا چھوڑ جانے پر سب راضی ہو گئے ہوں گے۔

کُچھ دیر وہ بستر پر لیٹے ہوئے اِسی طرح کی باتوں میں دماغ کھپاتا رہا۔ کوئی بھی

ایک سبب لشکر کے غائب ہو جانے کا صاف طور پر اُس کے دِل میں نہ بیٹھ سکا۔

آخر میں بس ایک ہی بات اسے شک وشُبہ سے خالی نظر آتی تھی۔ یہ کہ سبب خواہ کوئی ہو، اُس کا لشکر غائب ہو چکا ہے اور وہ تنہا رہ گیا ہے۔ اس حقیقت نے اُسے اپنے لیے دو میں سے ایک بات منتخب کرنے کے لیے مجبور کر دیا یا وہ یہاں سے واپس چلا جائے یا آگے بڑھے اور حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرے۔

کافی سوچ بچار کے بعد اُس نے دوسری بات پسند کی۔ غیرت نے اُس کے دِل میں حوصلہ پیدا کیا۔ ایمان نے خُود اعتمادی کو اُبھارا۔ بِستر سے انگڑائی لے کر اُٹھا اور تن تنہا طِلِسم ہوش رُبا فتح کرنے کا فیصلہ کیا۔

بارہ دری کے اندر رکھا ہوا اس کا سارا سامان موجود تھا لیکن ہتھیاروں کے علاوہ اُس نے کسی دوسری چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ زرہ بکتر، خود، تلوار اور ڈھال کو

بدن پر سجا کر اور نیزہ ہاتھ میں لے کر وہ چبوترے پر آیا۔ ہاتھ مُنہ دھونے کا خیال جو دِل میں آیا تو اُس نے تالاب کی جانب قدم بڑھایا۔ مگر چبوترے سے نیچے اُترا ہی تھا کہ ہر چہار جانب سے مِلے جُلے قہقہوں کی آوازیں آنے لگیں۔ یہ آوازیں بالکل رات کو سنائی دینے والے قہقہوں جیسی تھیں۔ اس نے چونک کر چاروں جانِب نِگاہ دوڑائی۔ کسی انسان کی دُور دُور تک صُورت نظر نہ آئی۔ اب جو اس نے غور کیا تو پتا چلا کہ قہقہوں کی یہ آوازیں کیاریوں کے پھُولوں اور درختوں کے پھلوں سے پیدا ہو رہی تھیں۔ بس یہ محسوس کرتے ہی لشکر کے غائب ہونے کا سارا راز اُس کی سمجھ میں آ گیا۔ اس کا دِل اُچھل اُچھل کر اُس سے کہنے لگا کہ "یہ باغ، اس کے درخت اور پودے سب کے سب طلِسمی ہیں۔ یہی تیرے لشکر کو کھا گئے ہیں۔ خبر دار، سنبھل جا۔ اپنی خیریت چاہتا ہے تو جلد سے جلد یہاں سے باہر نکل جا۔"

شہزادے نے مُنہ ہاتھ دھونے کا خیال ترک کیا۔ تالاب کی سمت سے مُنہ موڑ کر دوسری جانب کا رُخ کیا۔ اب ایک طرف باغ میں ہر طرف طلِسمی

قہقہے گونج رہے تھے، دوسری طرف شہزادہ ان کی پروانہ کرتا ہوا کیاریوں کو روندتا اور پھلواریوں کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھتا جارہا تھا۔ آخر کار درجنوں جھنڈ اور جھاڑیاں پار کرنے کے بعد بڑی دیر میں اُسے ایک چھوٹا سا دروازہ دکھائی دیا۔ دونوں پٹ اُس کے بند تھے مگر کسی جگہ کوئی چٹخنی، کُنڈا یا کڑا دکھائی نہ دیتا تھا۔ شہزادے نے ہاتھوں سے دھکّا دے کر دروازہ کھولنے کی بڑی کوشش کی پر ناکام رہا۔ تنگ آکر وہ چند قدم پیچھے ہٹا پھر تیزی کے ساتھ آگے کو دوڑا اور اُچھل کر پوری قوّت سے دروازہ پر دولتّی جمائی۔ دوسرے ہی لمحے وہ باغ کے باہر تھا۔ قہقہے کی آوازیں ایک دم ختم ہو گئیں۔ اُس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ دروازہ جُوں کا تُوں بند تھا نہ کوئی پٹ کھُلا تھا نہ کسی پٹ میں کوئی ایسا موکھا دکھائی دے رہا تھا کہ جس میں سے گزر کر وہ باہر آیا ہو۔ یہ بات خاصی حیرت انگیز تھی مگر اس پر سوچنا چھوڑ کر وہ صِرف اِس بات پر غور کر رہا تھا کہ اب اسے کِس سمت جانا چاہیے۔ فیصلہ کرنے میں اُسے زیادہ دیر نہ لگی۔ دُور ایک دھندلے سے دکھائی دینے والے ٹیلے پر اُس نے نگاہ جمائی اور لمبے

لمبے ڈگ بھرتا ہوا اُس کی طرف چل دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس ٹیلے پر یا اس کے اِرد گِرد ضرور کوئی انسانی آبادی ہو گی اور وُہ دوپہر یا زیادہ سے زیادہ تیسرے پہر تک وہاں پہنچ جائے گا۔

جوں جوں وقت گزرتا جاتا شہزادہ اپنی رفتار تیز کرتا جاتا۔ دوپہر ہوئی، تیسرا پہر گزر گیا حتیٰ کہ رات ہو گئی میلوں اور کوسوں کا فاصلہ طے ہو چکا تھا مگر ٹیلا قریب نہ آیا۔ ہاں اندھیر ہونے پر اُس میں جا بجا روشنیوں کی چمک ضرور دکھائی دینے لگی تھی۔ اس طرح شہزادے کا صرف ایک ہی خیال صحیح ثابت ہو سکا۔ روشنیوں کی چمک اِس بات کی تصدیق کر رہی تھی کہ ٹیلے پر کوئی نہ کوئی شہر آباد ہے۔ دوسری کوئی منزل ذہن میں نہ ہونے کی وجہ سے اُس نے اُسی کو اپنی منزل ٹھہرایا اور اُمّید سے زیادہ دُور ہونے کی پروانہ کرتے ہوئے مُسلسل اُسی کی طرف بڑھتا رہا۔

تین دِن اور تین راتیں اِسی طرح گزر گئیں۔ آخر کار چلتے چلتے چوتھے دِن

شہزادہ اس کے قریب جا پُہنچا۔ اب جا کے اُسے پتا چلا کہ جو چیز اُسے دُور سے قلعہ دکھائی دے رہی تھی، وہ ایک بُہت بڑا اور بہت اُونچا قلعہ تھا۔ اُس کی بُرجیاں اور فصیلیں خالی تھیں اور پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ پھاٹک سے دُور ایک درخت کی اوٹ میں کھڑے ہو کر شہزادہ سوچنے لگا قلعے میں جاؤں کہ نہ جاؤں؟ اگر اس کی حالت بہتر ہوتی تو شاید وہ بغیر اِطمینان کیے اندر جانے کی نہ سوچتا مگر مُصیبت تھی کہ اس کا حال بہت پتلا تھا۔

لگاتار پیدل چلنے کی وجہ سے تھکاوٹ تو خیر تھی ہی بھُوک نے بھی اُسے بے دم کر رکھا تھا۔ اس پورے عرصے میں پانی اُسے کئی مرتبہ مل چکا تھا مگر پیٹ بالکل خالی تھا۔ راستے میں جب بھی وہ کسی پرندے کو شکار کرنے کی کوشش کرتا وہ ایک دم غائب ہو جاتا۔ جو بھی جنگلی پھل یا میوہ توڑ کر مُنہ میں رکھتا زہر کی طرح کڑوا ہو جاتا۔ لاچار اُسے تھوکنا پڑتا۔

خُود کو شہر کے دروازے پر پا کر اُس کی بھوک اور بھی چمک اٹھی تھی۔ صبر کا

دامن اُس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ نتیجے کی پروا کیے بغیر وہ دروازے کی طرف چل دیا۔ اِکّے دُکے آنے جانے والے پھاٹک پر دکھائی دے رہے تھے مگر پہرے دار نظر نہ آتے تھے۔ یہ دیکھ کر اُس کو کُچھ اِطمینان ہوا۔ اپنے آپ کو سنبھالتا اور بے فکری کی چال چلتا وہ پھاٹک میں داخل ہو گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی دائیں بائیں جو اس کی نگاہ پڑی تو پہلے تو وہ کُچھ ٹھٹکا مگر پھر سنّاٹے میں آ گیا۔ پھاٹک کے بغلی بر آمدوں میں بُہت سے پہرے دار موجود تھے، مگر اُن میں سے کُچھ کھڑے تھے، کُچھ بیٹھے تھے اور کُچھ لیٹے ہوئے تھے۔ کوئی گا رہا تھا، کوئی ناچ رہا تھا۔ کوئی ڈھولک بجا رہا تھا۔ کُچھ چہلیں کر رہے تھے کُچھ کھا پی رہے تھے۔ ہر ایک اپنی دُھن میں مست تھا۔ کسی کو اپنی ڈیوٹی کی کوئی پروا نہ تھی۔ افسر ماتحت سب اسی حال میں تھے کسی سے کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔

شہزادہ اپنے حُلیے اور لباس سے اجنبی دکھائی دے رہا تھا۔ ویسے آنے جانے والوں کی طرح چند ایک پہرے داروں کی بھی اُس پر نگاہ پڑی مگر کسی نے اس پر کوئی خاص توجّہ نہ دی اور نہ اُسے روکا ٹوکا۔ اِن سب باتوں پر حیران ہوتا

ہوا وہ آگے بڑھ گیا۔

شہر میں داخل ہونے پر اسی طرح کی کئی اور باتیں اس نے دیکھیں۔ بھُوک سے نڈھال ہونے کے باوجود وہ اُن پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ ایک مکان کی اوپر والی منزل سے ایک عورت نے کوڑے سے بھری ہوئی ٹوکری نیچے اُلٹ دی۔ سوار اور پیادے راہ گیروں کی ایک ٹکڑی اس وقت اُس مکان کے نیچے سے گزر رہی تھی۔ سارا کوڑا اُن راہ گیروں پر آ رہا۔ اُنہوں نے مُنہ بنا کر اپنے کپڑے تو ضرور جھاڑے مگر کسی نے بھی اُس عورت کو کُچھ نہ کہا۔ کپڑے جھاڑ کر اس طرح اپنی راہ چل دیے جیسے کُچھ ہُوا ہی نہ ہو۔

ایک مقام پر ایک مسافر چلتے چلتے رُکا اور سڑک کے بیچوں بیچ بستر بچھا کر سو گیا۔ راہ گیر اُس سے بچ بچ کر چلنے لگے مگر زبان سے کسی نے نہ پوچھا کہ مردِ خُدا، سونے کے لیے یہی جگہ رہ گئی تھی۔

ایک خوب صورت اور شان دار مکان کے دروازے پر دو سپاہی آلتی پالتی

مارے بیٹھے چھ گوٹی کھیل رہے تھے۔ شاید ان کا فرض اِس مکان کی حفاظت کرنا تھا۔ اچانک ایک نقاب پوش گھڑ سوار دروازے کے سامنے آکر رُک گیا۔ سپاہی اُسے دیکھتے ہی تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے، نقاب پوش نے اُنہیں آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اِطمینان کے ساتھ اُس نے کمر میں بندھی ہوئی کمند کھولی آنکڑے کو گھما کر مکان کی چھت پر پھینکا۔ آنکڑا چھت کی منڈیر پر جا پھنسا۔ نقاب پوش نے اُس کی مضبوطی جانچنے کے لیے کمند کو جھٹکا دیا اور پھر بڑی بے فکری کے ساتھ اوپر چڑھنے لگا۔ سپاہیوں نے یہ دیکھ کر تلواریں نیام میں رکھیں اور پھر بیٹھ کر اِطمینان کے ساتھ چھ گوٹی کھیلنے لگے۔

ارد گرد راہ گیروں کا مجمع جمع ہو گیا تھا۔ سب یہ تماشا دیکھ رہے تھے مگر نہ کسی نے نقاب پوش سے کچھ کہا نہ سپاہیوں سے پُوچھا کہ میاں، یہ کیسی پہرے داری ہے؟ ڈاکو دِن دیہاڑے اور تُمہاری آنکھوں کے سامنے اُسی مکان کی چھت پر چڑھ رہا ہے جس کی حفاظت تمہارے ذمّے ہے مگر تم صرف دروازہ روکے بیٹھے ہو۔ دونوں سپاہی رہ رہ کر مجمع کی جانب نگاہ اُٹھا کر اِس طرح فخر

سے دیکھتے جیسے کہہ رہے ہوں۔ ”دیکھا! کتنے فرض شناس ہیں۔ نقاب پوش دروازے سے اندر جانے کی ہمّت نہ کر سکا۔ بندر کی طرح دُم دبائے چھت پر چڑھ رہا ہے۔ تم دیکھ لینا۔ ڈاکہ مارنے کے بعد بھی وہ دروازے سے باہر نکلنے کی ہمّت نہ کر سکے گا۔ اِسی رسّی سے لٹک کر نیچے آئے گا۔ گھوڑے پر بیٹھے گا اور ہم سے آنکھ ملائے بغیر بھاگ جائے گا۔ اُس کی کیا ہمّت جو ہمارے سامنے ٹھہر سکے۔“

ہوا بھی ایسا ہی۔ کُچھ دیر بعد نقاب پوش رسّی کے ذریعے نیچے اُترتا دکھائی دیا۔ اُس کی کمر سے ایک پوٹلی لٹک رہی تھی۔ شاید لوٹ کا مال اس میں بندھا ہوا تھا۔ اس کا گھوڑا رسّی کے سِرے کے نیچے ٹھیک اُسی جگہ کھڑا ہوا تھا جہاں وہ اُسے چھوڑ کر گیا تھا۔ نقاب پوش سیدھا گھوڑے کی پیٹھ پر آ جما۔ سپاہی ایک بار پھر تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے، نقاب پوش نے واقعی اُن سے آنکھ ملانے کی جرأت نہ کی۔ گھوڑے کو دوسری جانب موڑ دیا۔ راہ گیروں نے اِدھر اُدھر ہٹ کر اُس کے لیے جگہ بنا دی۔ مکان کے اندر سے چیخ پُکار کی آوازیں بلند ہو

رہی تھیں مگر نقاب پوش نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور چلتا بنا۔ سپاہی بیٹھ کر پھر پچھے گوٹی کھیلنے لگے۔

یہ حال دیکھ کر شہزادہ اسد سے صبر نہ ہو سکا۔ ایک راہ گیر کو روک کر اُس سے پوچھا۔ "میاں، یہ کیسا شہر ہے جہاں کسی سے کوئی کُچھ نہیں پُوچھتا۔ کیا نام ہے اس کا؟"

اُس شخص نے شہزادے کو غور سے دیکھا اور جواب میں بولا۔ "اجنبی معلُوم ہوتے ہو۔ اِس شہر کا نام ہی شہر ناپُرساں ہے۔ یہاں کوئی کسی کو ٹوکنے کا حق نہیں رکھتا۔"

شہزادہ یہ جواب پا کر آگے بڑھ گیا۔ بازار کا علاقہ شروع ہو چکا تھا۔ عورتیں اور مرد بڑی آزادی سے خرید و فروخت کر رہے تھے۔ یہاں اور بھی کئی لطیفے شہزادے کی نظر سے گزرے مگر بھُوک کی شدّت کی وجہ سے وہ اُن پر کوئی توجّہ نہ دے سکا۔ اُس کی نگاہیں بڑی بے چینی سے کھانے پینے کی دُکانیں

تلاش کر رہی تھیں۔

خدا خدا کر کے وہ بازار کے اس حصّے میں پہنچا جہاں سڑک کے ایک جانب کبابیوں اور نانبائیوں کی دکانیں تھیں اور دوسری جانب حلوائیوں اور پھل فروشوں کی۔ چونکہ اُسے اِس بات کا یقین نہ تھا کہ کبابی جو گوشت استعمال کر رہے ہیں، وہ حلال ہو گا، اُس لیے اُس نے حلوائی کی طرف قدم بڑھایا۔ دکان کے سامنے پہنچ کر اُس نے کمر میں بندھی ہوئی تھیلی میں ہاتھ ڈالا اور بغیر گنے سونے چاندی کے مٹھی بھر کے نکال کر حلوائی کے سامنے ڈال دیے حلوائی نے شہزادے کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا تو انگلی کے اشارے سے اُس نے پوریاں اور مٹھائی ایک تھال میں دینے کی ہدایت کی اور دُکان کے سامنے پڑے ہوئے ایک مونڈھے پر بیٹھ گیا۔ لیکن حلوائی نے سودا دینے کے بجائے اُس کے دیے ہوئے سِکّے اُٹھا کر اُس کی طرف پھینک دیے اور غصّے سے بولا۔

”یہاں یہ سِکّے نہیں چلتے۔ شہنشاہ افراسیاب کی تصویر والا کاغذ کا نوٹ دو گے تو سودا ملے گا۔“

شہزادے نے دِل شکستہ ہو کر سِکّے اُٹھائے اور اگلی دُکان پر جا پہنچا۔ وہاں بھی اُس سے یہی سلوک کیا گیا۔ اس کے بعد وہ کئی اور حلوائیوں کے پاس گیا۔ اُن کی خوشامدیں بھی کیں مگر کوئی ان سکّوں کے بدلے اُسے کچھ دینے پر راضی نہ ہوا۔

بھوک سے شہزادے کی جان نکلی جا رہی تھی اور حلوائی تھے کہ اس سے وہ سِکّے طلب کر رہے تھے جو اُس کے پاس نہ تھے۔ آخر اسے غصّہ آ گیا۔ مٹھائی کی ایک دکان پر چڑھ کر اُس نے حلوائی کو لات مار کر باہر نکالا، تلوار کھینچ کر ہوا میں لہرائی اور بیٹھ کر تھالوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ فوراً ہی دکان کے سامنے مجمع لگ گیا۔ لیکن شہزادے کے تیور اور اُس کے ہاتھ میں ننگی تلوار

دیکھ کر کسی کو اس سے کُچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ دیکھ کر حلوائی بھاگا ہوا گیا اور سپاہیوں کے ایک جتھّے کو بُلا لایا۔ سپاہی گھیرا کر کے شہزادے کو گرفتار کرنے آگے بڑھے۔ شہزادہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر جو للکار کر اس نے سپاہیوں کے درمیان چھلانگ لگائی ہے اور چومکھی تلوار چلائی ہے تو آنِ واحد میں سارے سپاہی تلواروں پھینک کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہیں بھگا کر شہزادہ پھر دکان پر آ ڈٹا اور جو چیز پسند آئی اُس سے پیٹ بھرنے لگا۔

دُکان کا مالک شہزادے کی یہ سینہ زوری دیکھ کر وہاں سے چلا، دوسرے سارے حلوائیوں کو بھی ساتھ لیا اور رونا پیٹتا دہائیاں دیتا سیدھا قصرِ حکومت جا پہنچا۔

قصرِ حکومت گنبدِ بے نور کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے تین درجے تھے۔ پہلے درجے میں بارہ ہزار جادُوگر رہتے تھے۔ دوسرے درجے میں کئی ہزار بڑے بڑے گھنٹے ٹنگے رہتے تھے اور ناقوس رکھے رہا کرتے تھے۔ خاصیت اُن

کی یہ تھی کہ اگر وہ سب ایک ساتھ بجائے جائیں تو طلِسم کے سارے باسی بے ہوش ہو جائیں۔ تیسرا درجہ شہنشاہ افراسیاب کی خاص بیگم ملکہ حیرت کے لیے مخصوص تھا۔ یہ شہر افراسیاب نے ملکہ ہی کے لیے بسایا تھا۔ جب کبھی ملکہ یہاں آتی تو اِسی درجے میں قیام کرتی اور یہاں سے سارے طلِسم کی سیر کرتی۔ بُلندی کی وجہ سے اِس منزل سے سارا طلِسم صاف دکھائی دیتا تھا اور ملکہ کی ضرورت اور آسائش کا ہر سامان یہاں مہیّا رہا کرتا تھا۔

حلوائیوں کا ہجوم گنبد بے نور کے احاطے میں داخل ہوا تو اس وقت ملکہ حیرت وہاں موجود تھی۔ سترہ سو کنیزیں اس کے سامنے حاضر تھیں اور اُن کے ناچ سے وہ اپنا دِل بہلا رہی تھی۔ فریادیوں کی آوازیں اُس کے کانوں میں پہنچیں تو اُس نے کنیزوں کو ناچ بند کرنے کا اشارہ کیا اور اپنی وزیر زمرّد جادُو کو حکم دیا کہ فریادیوں کو جھروکے کے سامنے حاضر ہونے کی تاکید کرے۔ زمرّد جادُو نے حکم کی تعمیل کی۔ تھوڑی ہی دیر میں حلوائیوں کا ہجوم ملکہ کے جھروکے کے نیچے کھڑا نعرے لگا رہا تھا۔ ملکہ نے ان سے حال معلُوم

کیاتواُنہوں نے ساراقصّہ شہزادہ اسد کے ظلم وزبردستی کا کہہ سُنایا۔

ملکہ نے حلوائیوں کو تسلّی دی اور اپنی ایک خواص گُلشن جادُو کو حکم دیا کہ جس طرح بن پڑے شہزادہ اسد کر گرفتار کر کے حاضر کرے۔ گُلشن جادُو ملکہ کو سلام کر کے اور شہزادہ کو گرفتار کر لانے کا وعدہ کر کے نیچے آئی۔ یہاں سے فریادی حلوائی بھی اُس کے ساتھ ہوئے۔ سب ساتھ ساتھ چلے۔ دکان کے ارد گرد ایک خلقت جمع تھی اور شہزادے کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ شہزادہ پُوریوں اور مٹھائیوں کا ایک تھال سامنے رکھے بیٹھا تھا۔ ایک ہاتھ میں ننگی تلوار لہرارہاتھااور دوسرے ہاتھ سے کھارہاتھا۔

گُلشن جادُو مجمع کو چیر کر آگے بڑھی مگر جونہی نظر اس کی شہزادے پر پڑی، جہاں تک پہنچی تھی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اس آن بان کا سجیلا جوان اور خوب صُورت پہلوان اُس نے اس سے پہلے نہ دیکھا تھا۔ اس کے دِل میں رحم آگیا۔ خیال کیا کہ کُچھ باتیں کرے۔ گرفتار کرنے کے لیے جادُو نہ کرے۔

یہ سوچ کر وہ پُکاری "اے اجنبی تُو کون ہے؟ کس لیے دکان دار پر ظلم کیا ہے؟ شہر کا امن و امان درہم برہم کیا ہے؟ لگتا تو تُو کسی شریف گھرانے کا ہے۔ پھِر کیوں زبردستی دکان پر چڑھ گیا ہے؟ بغیر قیمت دیے مال کھائے جاتا ہے؟ کیا نہیں جانتا کہ یہ شہر ملکہ حیرت جادُو کا ہے، اس طرح کا ظلم یہاں ناروا ہے۔"

شہزادہ اسد نے آنکھ اُٹھا کے دیکھا تو ایک خُوب صورت جادُوگرنی کو سامنے پایا۔ وہ بال بِکھرائے اور ماتھے پر سیندور کا ٹیکا لگائے تھی۔ جادُو کی جھولی گلے میں پڑی تھی۔ شہزادہ ڈرا کہ کہیں جادُو نہ کرے۔ بے بس کر کے گرفتار نہ کرے۔ دِل میں چالاکی جو آئی تو فوراً مسکین سی صُورت بنائی۔ مُنہ کھولا اور بناوٹی آواز میں بولا: "اے معزّز خاتون، تو مُجھے ان سب میں نیک دکھائی دیتی ہے۔ بالکل میری ماں کی شکل لگتی ہے۔ مہربانی کر کے قریب آ۔ میں زور سے بولنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس شہر میں اجنبی اور مسافروں ہوں۔ بھوک سے لاغر ہوں۔ تجھے اپنی ساری بپتا سناؤں گا جو بھی حکم دے گی سر آنکھ پر بجا

لاؤں گا۔“

شہزادے کی یہ باتیں سُن کر گلشن جادُو کا دِل کچھ اور نرم ہوا۔ کوئی اندیشہ دِل میں نہ لائی۔ لاپروائی کے ساتھ شہزادے کے پاس چلی آئی۔ بس اس کا قریب ہونا تھا کہ شہزادے نے اُچھل کر اُس کی گردن دبوچی۔ اُس نے مُنہ پھاڑا تو شہزادے نے حلوائی کی جھاڑن اُٹھائی اور اس نے مُنہ میں ٹھونس دی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اُسے دُکان کے ایک کھمبے کے قریب گھسیٹ لے گیا اور اپنے تھیلے سے ریشمی ڈوری نکال کر اُسے مضبوطی سے باندھ دیا۔ دُکان کے سامنے کھڑا ہوا ہجوم واویلا کرنے لگا مگر کِسی میں آگے بڑھ کر شہزادے کو روکنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

یہ خبر ملکہ حیرت کو پہنچی تو وہ گُلشن جادُو کی بے وقوفی پر خوب ہنسی۔ آخر کار اس نے اپنی وزیر زمرّد جادُو سے کہا: ”اے فتنہ، اب تُو خُود جا۔ گُلشن کو بھی چھُڑا اور اُس اجنبی کو بھی پکڑ لا۔ دیکھوں تو وہ کون ہے؟“

زمرّد جادُو نے ادب سے سر جھکایا۔ جادُو کے زور سے وہاں سے اُڑی اور شہزادے کے سامنے دم کے دم میں جا پہنچی۔ شہزادے نے جو ایک دوسری جادُوگرنی کو سامنے کھڑا پایا، پہلے کی طرح اُس نے پھر اپنا مکر چلایا مگر زمرّد بڑی چالاک تھی۔ اس کے دام میں نہ آئی۔ بار بار بُلانے پر بھی جب اس نے شہزادے کی جانب قدم نہ اُٹھایا تو اس پر قابو پانے کے لیے شہزادے نے خُود اُس کی جانب قدم بڑھایا۔ زمرّد اُس کی نیّت بھانپ گئی۔ فوراً ہی چند قدم پیچھے ہٹی اور ایسا سحر پڑھ کر دم کیا کہ شہزادہ سُن ہو کر گر پڑا۔ سانس تو آتی جاتی رہی مگر طاقت ہاتھ پیر ہلانے کی بالکل نہ رہی۔ اسی حالت میں زمرّد نے اس کی سمت اُنگلی اُٹھا کر کوئی جادُو کیا۔ اُس کے مُنہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا باہر نکل پڑا اور جس ڈوری سے کھمبے میں بندھی تھی وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نیچے بکھر گئی۔

بس اُدھر گُلشن آزاد ہوئی، اُدھر زمرّد شہزادے کی گردن پکڑ کر جادُو کے زور سے لے اُڑی۔ چند لمحے بعد وہ گنبدِ بے نور میں ملکہ حیرت کے سامنے کھڑی تھی۔ اُس کے قریب فرش پر شہزادہ اسد کی جیتی جاگتی لاش پڑی تھی۔ ملکہ

حیرت نے زمرّد جادُو کو شاباش دی اور شہزادہ اسد کو غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"اے بد نصیب نوجوان، تو مُجھے کسی مُلک کا شہزادہ دکھائی دیتا ہے۔ بتا تو کون ہے، شہر ناپُرساں میں کیسے آ نکلا اور اب کہاں کا ارادہ رکھتا ہے، خوف نہ کر۔ میں تُجھے آزاد کر دوں گی بلکہ سواری اور خرچ کا بھی اِنتظام کر دوں گی۔ بے شک تو نے میرے شہر کے لوگوں پر ظلم کیا ہے مگر مُجھے تیری مجبوری اور نوجوانی پر ترس آ رہا ہے۔ دِل کو پریشان نہ کر اپنی اصلیت اور ارادہ سچ سچ بیان کر۔"

شہزادے کے جسم کی ساری طاقت جادُو سے سُن ہو چکی تھی۔ وہ فرش پر بے حس و حرکت پڑا تھا مگر دِل اُس کا مطلق کسی بات سے نہ ڈرا تھا۔ ملکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُس نے جواب دیا۔

"اے ملکہ، اس وقت میں تیرے قابو میں ہوں۔ تُو مہربانی کا وعدہ کر چُکی

ہے۔ چاہوں تو جھُوٹ بول کر اپنی جان چھڑا سکتا ہوں مگر ہم وہ نہیں جو نہ جھُوٹ بولتے ہیں نہ خدا کے سوا کسی سے خوف کھاتے ہیں۔ حق کے لیے لڑنے کو ثواب جانتے ہیں۔ حق کے لیے مرنے میں اپنی نجات سمجھتے ہیں۔ یقین رکھتے جو دِل میں ہے وہی زبان پر لاؤں گا۔ ہر گز اپنی اصلیت اور اِرادے کو نہ چھپاؤں گا۔ جان لے کہ میں نواسا امیر حمزہ کا ہوں۔ اسد بن کرب غازی میرا نام ہے اور طِلسم ہوش رُبا کو فتح کرنے کے ارادے سے اِدھر آیا ہوں۔ زندہ رہا تو یہ کارنامہ انجام دے کر ہی چھوڑوں گا۔ جب تک سانس باقی ہے اس ارادے سے مُنہ نہ موڑوں گا۔ میری نوجوانی یا بے بسی کا مطلق خیال نہ کر۔ جو جی میں آئے کر گزر۔ ہر گز رحم کی درخواست نہ کروں گا اور اگر پھر بھی تُو نے رحم کیا تو ہر گز اس کی وجہ سے اپنے ارادے کو ترک نہ کروں گا۔"

یہ سُن کر ملکہ حیرت کا عجیب حال ہوا۔ کبھی اُس کے چہرے پر ایک رنگ آتا کبھی دوسرا۔ کبھی شہزادے پر غصّہ آتا کبھی رحم۔ کبھی وہ اسے قتل کر دینے

کا فیصلہ کرتی، کبھی گرفتار اور قید رکھنے کو بہتر خیال کرتی اور کبھی سوچتی کہ اِسے اِسی حالت میں طِلسم ہوش رُبا کی سرحد کے باہر کہیں پہنچوا دیا جائے۔ بڑی کشمکش کے بعد اُس نے زمرّد کو مخاطب کر کے کہا۔

"میرا دِل جانے کیوں اس پر رحم کھاتا ہے، نہ قیدی بنانے پر آمادہ ہے نہ قتل کرنے پر راضی ہوتا ہے۔ یہ ہمارے بدترین دشمن کا نواسا ہے اور طِلسم ہوش رُبا سے دُشمنی رکھتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اسے اسی حال میں صحرائے طِلسم میں پھنکوا دیا جائے۔ اگر یہ واقعی فاتح طِلسم ہوا تو وہاں سے زندہ نکل جائے گا۔ ایسا نہ ہوا تو دوسروں کی طرح وہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گا۔"

زمرّد جادُو نے جواب میں سر جھکا کر ملکہ کی بات کی تائید کی۔ اور چند خواصوں کو اشارہ کیا کہ شہزادے کو لے جا کر صحرائے طِلسم میں چھوڑ آئیں۔ گُلشن جادُو سمیت چار خواصیں آگے بڑھیں۔ منتر پڑھ کر شہزادے کو بے ہوش کیا، پھر دو نے اُسے پیروں سے پکڑا، دو نے بازوؤں سے اور چاروں اُسے اٹھا

کر جادُو کے زور سے اُڑتی ہوئی صحرائے طلِسم کی سمت روانہ ہو گئیں۔

خاصی دیر بعد شہزادے کو ہوش آیا تو اس نے خُود کو نرم گھاس پر پڑا پایا۔ ہڑبڑا کر اُٹھا۔ اِرد گِرد نگاہ دوڑائی۔ کوئی جادُو گرنی نظر نہ آئی۔ سمجھ گیا کہ یہ صحرائے طلِسم ہے اور وہ مُجھے یہاں چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔ پہلے سوچتا تھا کہ صحرائے طلِسم کوئی لق و دق بیابان ہو گا سبزہ و سایہ نام کو نہ ہو گا مگر یہاں ہر طرف رنگا رنگ پھولوں کے تختے بہار دکھا رہے تھے۔ جگہ جگہ سایہ دار درختوں کے جھُنڈ تھے اور نرم نرم گھاس مخملی فرش کی طرح ساری زمین کو ڈھانپے ہوئے تھی۔ یہ گلزار اور سبزہ زار دیکھ کر گھبراہٹ اُس کے دِل سے دُور ہوئی۔ آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہوئی۔

اچانک دُور ایک کُنج میں سے کُچھ آہٹ سی محسوس ہوئی جیسے کُچھ لوگ وہاں موجود ہیں اور گاہے گاہے آپس میں باتیں کرتے جاتے ہیں۔ تِیر کی طرح وہ سیدھا وہیں جا پُہنچا۔ دیکھا کہ کئی گبرو جوان پھلواریوں سے پھُول چُن رہے

اور اُنہیں سنبھال سنبھال کر ٹوکریوں میں رکھ رہے ہیں۔ بلا جھجک وہ اُن کے سامنے آ گیا اور سلام دُعا کے بعد کہنے لگا "اے جوانو، تم کون ہو؟ صُورت شکل سے مالی بالکل نہیں لگتے۔ پھر پھُول کیوں چن رہے ہو؟"

ان میں سے ایک نے ٹھنڈی سانس لی اور شہزادے کر جواب دیا۔ "اے دوست، ہماری داستانیں بڑی دردناک ہیں۔ جن کے سُننے سے پتھروں کے بھی جگر چاک ہیں۔ ہم سب اپنے اپنے ملکوں کے شہزادے ہیں۔ شکار کے ارادے سے نکلے اور تقدیر کے جال میں آ پھنسے۔ مُدّت سے اِس سحر میں گرفتار ہیں۔ زندگی سے بے زار ہیں۔ جب کبھی یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرتے ہیں، راہ کو اپنے لیے بند پاتے ہیں۔ گھوم پھر کر یہاں آ جاتے ہیں۔"

"یہاں قریب میں شہنشاہ افراسیاب کی بھتیجی شہزادی مہ جبیں الماس پوش کا محل ہے، ہم دِن بھر پھول چُنتے ہیں۔ شہزادی کے لیے ان کے گہنے بناتے

ہیں۔ شام کو اُس کی کنیزیں آتی ہیں۔ گہنے لے جاتی ہیں اور اُس کے معاوضے میں ہمیں کھانا پانی دے جاتی ہیں۔ یہاں کا یہی دستور ہے۔ ہم میں سے ہر ایک یہ کام کرنے پر مجبور ہے۔ پھُول نہ چنیں، گہنے نہ بنائیں تو دانہ پانی بالکل نہ پائیں۔ اب جب کہ قسمت نے تمھیں بھی یہاں لا ڈالا ہے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ تم بھی یہی کرو۔ صبر شُکر کے ساتھ زندگی کے دِن پورے کرو۔ یہ سمجھ لو کہ بھاگ کے کہیں نہ جا سکو گے اور یہ کام پسند نہ کیا تو بھوکے مرو گے۔"

شہزادہ اسد نے یہ سُن کر کانوں پر ہاتھ رکھا اور تنک کر بولا۔ "نا بابا نا۔ یہ کام مجھ سے ہر گز نہ ہو گا۔ میں نواسا امیر حمزہ کا ہوں۔ طلِسم ہوش رُبا کو ملیا میٹ کرنے نکلا ہوں۔ مالی کا کام ہر گز نہ کروں گا۔"

"اچھا بھائی، تمہاری مرضی۔"! اُن میں سے ایک نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ہمیں بھی شروع میں آیا ہی طنطنہ تھا مگر جلد ہی سارا کس بل نکل گیا۔ بھُوکے مرو گے تو تُم بھی جلد ہی ہماری راہ پر لگ جاؤ گے۔ سمجھانا ہمارا کام۔ ماننا

نہ ماننا تمہارے اِختیار میں ہے۔ ہم خود مجبور ہیں تُم پر کیسے زور دے سکتے ہیں۔"

شہزادہ اسد اُن کے قریب ہی سائے میں بیٹھ گیا۔ ان لوگوں نے پھُول چُننے کے بعد جلدی جلدی گہنے بنائے اور کام ختم کر کے شہزادی مہ جبین کی کنیزوں کی راہ دیکھنے لگے۔ دِن ڈھلے کے وقت کنیزیں آئیں۔ کھانوں کے تھال اور پانی کی صراحیاں دی گئیں اور گہنے ساتھ لے گئیں۔ قیدی شہزادے دِن بھر کے بھُوکے تھے، کھانے پر ٹوٹ پڑے، نہ شہزادہ اسد نے اُن سے کُچھ طلب کیا، نہ خُود اُنہوں نے اُسے کُچھ دیا۔ اس لیے کہ ہر ایک کو اُس کے حصّے کے مطابق ملتا تھا اور کوئی اپنے حصّے میں کسی کو شریک کر کے بھُوکا رہنا گوارانہ کرتا تھا۔

وہ رات شہزادے نے فاقے میں گزاری۔ شہر ناپُرساں میں وہ اتنا کھا چکا تھا کہ رات اُسے کوئی خاص تکلیف محسوس نہ ہوئی مگر جب دِن چڑھا تو بھُوک اور

پیاس نے بے تاب کیا۔ سیب کے ایک درخت کے نیچے جا کر اُس نے پتھّر مار کر کچھ پھل گرائے۔ وہ اُنہیں اُٹھانے کے لیے لپکا مگر جو سیب اُس کی مُٹھّی میں آتا ہوا ہو کر غائب ہو جاتا۔ اُس نے درخت کے اُوپر چڑھ کر پھل توڑنے چاہے مگر جوں جوں وہ اُوپر چڑھتا جاتا درخت کا تنا اُونچا ہوتا جاتا۔ پھلوں تک نہ پُہنچ پاتا۔ تھک ہار کر صرف پانی پر قناعت کرنے کا خیال کیا۔ ایک حوض کے کنارے آیا۔ چلو میں پانی اُٹھایا۔ مگر پانی مُنہ تک آتے آتے ریت بن گیا۔ ہر بار وہ ریت پھینک کر پانی اُٹھاتا مگر ایک بُوند نہ پاتا۔ ریت کے سوا کُچھ ہاتھ نہ آتا۔ شام تک یہی ہوتا رہا۔

اُدھر دِن ڈھلے شہزادی کی کنیزیں پھر آئیں۔ قیدی شہزادوں کو کھانا پانی دے گئیں اور اُن کے بنائے ہوئے گہنے لے گئیں۔ قیدی شہزادوں کے درمیان کھانے پینے کا دُور چلتا رہا۔ شہزادہ اسد اپنی بے بسی پر دِل ہی دِل میں کُڑھتا رہا۔ وہ رات بھی ایسی ہی گزر گئی۔ دوسرا دِن گزارنا اسد کے لیے مصیبت بن گیا۔ خدا خُدا کر کے شام ہوئی مگر اُس کے ساتھ ہی شہزادہ اسد کی قوّتِ

برداشت بھی تمام ہُوئی۔ شہزادی مہ جبین کی کنیزیں ہمیشہ کی طرح کھانوں کے تھال اور پانی کی صُراحیاں لِیے آتی دکھائی دیں تو شہزادہ اسد کو اپنے پیٹ میں چنگاریاں چٹختی محسوس ہوئیں۔ اُس نے سوچا اگر میں اِسی طرح یہاں کے دستور کا احترام کرتا رہوں گا اور مالی کا کام بھی نہ کروں گا تو بھُوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاؤں گا۔ اِس لیے چاہیے کہ ہمّت سے کام لُوں۔ یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا نہ رہوں۔

یہ سوچ کر وہ اُٹھا اور سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ کنیزیں قریب پہنچیں تو شہزادے نے تلوار کھینچ لی اور اُنہیں للکارتا ہوا بولا۔ ”خبردار، سارا کھانا پانی ایک جگہ رکھ دو اور جہاں سے آئی ہو اُلٹے پیر وہیں چلی جاؤ۔ یہ کھانا میں خُود کھاؤں گا۔ کِسی کو ہاتھ نہ لگانے دوں گا۔ اگر کسی نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو یہ تلوار اُس کے ٹکڑے اڑا دے گی۔“

شہزادے کے بگڑے ہوئے تیور اور اُس کے ہاتھ میں لپلپاتی ہوئی ننگی تلوار

دیکھ کر کنیزوں کے حواس جاتے رہے۔ تھال اور صُراحیاں گھاس پر چھوڑ کر چیختی چلاتی بھاگ کھڑی ہوئیں۔ قیدی شہزادوں میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ شہزادے کے سامنے آسکے۔ وہ سب ایک کونے میں دُبک کر کھڑے ہو گئے۔ شہزادہ تھالوں کے قریب جا بیٹھا اور خوان پوش ہٹا کر بے فکری کے ساتھ کھانا کھانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ خاصا پیٹ بھر چکا تو اسے قیدی شہزادوں کا خیال آیا۔ پیاس بھر پانی پی کر وہ اُٹھا اور شہزادوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ”بدنصیب شہزادو، تُم بُزدِل اور کمزور ہو اور اس دنیا میں بُزدِلوں اور کمزوروں کو جینے کا کوئی حق نہیں۔ حق اور انصاف صرف اُسے ملتا ہے جو اُسے چھیننے کی سکت رکھتا ہے۔ میں شرافت کی وجہ سے دو دِن بھوکا پیاسا پڑا رہا۔ کسی نے بھی میرا خیال نہ کیا مگر اب مجُھے تم پر رحم آتا ہے۔ لو یہ بچا کھُچا کھانا اُٹھاؤ اور آپس میں بانٹ کھاؤ۔ تم اِس سے زیادہ کے ہرگز مستحق نہیں ہو۔“

شہزادہ اسد کئی دِن کا بھُوکا پیاسا تھا۔ آدھے سے زیادہ کھانا پانی صاف کر گیا تھا۔ لیکن قیدی شہزادوں نے بچے ہوئے کھانے کو بھی غنیمت جانا۔ شہزادہ ایک طرف کو ہٹ کر کھڑا ہو گیا تو سب نے کھانے کے تھالوں پر ہلّا بول دیا۔ اسی وقت شہزادہ اسد کے کانوں میں دُور سے آتی ہوئی کُچھ غضب ناک آوازیں گونج اُٹھیں۔ وہ چوکنّا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کُچھ ہی دیر بعد ایک بپھرا ہوا ہجوم اُس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ پندرہ سولہ خوفناک حبشنیں بھاری تیغے لیے چیختی چنگھاڑتی اُس کی سمت بڑھی چلی آ رہی تھیں۔

رنگ میں بھنگ

قیدی شہزادوں کی ساری توجہ بچے کھچے کھانے پر تھی۔ ہر ایک دوسرے سے زیادہ حصّہ ہڑپ کرنے کے چکر میں تھا۔ وہ دُور سے حبشنوں کی آواز نہ سُن سکے۔ اس وقت چونکے جب وہ قریب آ گئیں۔ ان پر نگاہ ڈالتے ہی وہ خوف سے چیخ اُٹھے۔ اُنہیں یقین ہو گیا کہ کنیزوں نے جا کر شہزادی سے شکایت کی ہو گی اور شہزادی نے سب کو سزا دینے کے لئے حبشنوں کو بھیجا ہے۔ وہ سب کھانا پینا چھوڑ کر اُٹھے اور مخالف سمت کو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

شہزادہ اسد پر حبشنوں کی یلغار کا کوئی اثر نہ ہوا۔ تلوار ہاتھ میں لیے وہ بڑی شان سے اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس بات کا اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ حبشنیں اُسی

سمت سے آئی ہیں جس سمت سے شہزادی مہ جبین کی کنیزیں آتی جاتی ہیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہاں صحرا میں پڑے رہنے سے بہتر ہو گا کہ شہزادی مہ جبین کے محل تک پُہنچا جائے۔اِس کے لیے اُس کے دماغ میں یہ ترکیب آئی کہ قتل کرنے کے بجائے اِن حبشنوں کو پسپا ہونے پر مجبُور کیا جائے اور اُن کا پیچھا کرتے ہوئے شہزادی کے محل تک پُہنچا جائے۔

حبشنیں آگے بڑھتی رہی مگر شہزادہ اسد اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ یہ بات دیکھ کر وہ اُس سے دس بارہ قدموں کے فاصلے پر آکر خود ٹھہر گئیں۔ اور شہزادے کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھورنے لگیں۔ شہزادہ اس پر بھی نہ ہلا تو اُنھوں نے آہستہ آہستہ سرکتے ہوئے بڑے سے گھیرے میں لینا چاہا۔ شہزادہ خود ہی چاہتا تھا۔ وہ ٹس سے مَس نہ ہوا۔ حبشنوں نے اِس بات کا پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ تیزی کے ساتھ پھیل کر اُنھوں نے شہزادے کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

لیکن ابھی اُنھوں نے وار کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ شہزادہ شیر کی طرح اُن میں سے ہر ایک پر باری باری جھپٹنے لگا۔ حبشنیں بھی بڑی چالاک تھیں۔ جس پر شہزادہ حملہ کرتا وہ وار روکتی ہوئی پیچھے ہٹتی۔ اُسی لمحے شہزادے کے دائیں بائیں اور پیچھے والی حبشنیں آگے بڑھتیں اور شہزادے پر پے در پے وار کرنے لگتیں۔ وہ سب ہٹّی کٹّی اور بھاری بھر کم تھیں مگر پھُرتی بھی اُن میں بلا کی تھی۔ شہزادہ اُن کی طرف پلٹا تو اُچھل اُچھل کر وہ پیچھے ہٹ جاتیں۔

یہ لڑائی شہزادہ اسد کے لیے کبڈی کے کھیل سے زیادہ اہمیّت نہ رکھتی تھی۔ ایسا کھیل جس میں کوئی بھی اُس کے جوڑ کا نہ تھا۔ اُسے اندازہ ہو گیا کہ اگر حبشنوں کو دوڑایا گیا تو وہ بُہت جلد تھک جائیں گی۔ یہ سوچ کر اُس نے تیزی سے تلوار چلاتے ہوئے گھیرے کے دو چکّر لگائے اور تیسرے چکّر میں ایک جانب ڈبکی لگا کر گھیرے سے باہر نکل گیا۔

حبشنیں غصّے سے چیخ پڑیں اور شہزادے کو دوبارہ گھیرے میں لینے کے ارادہ

سے اُس کے پیچھے دوڑنے لگیں۔ خاصی دُور تک بھاگتے رہنے کے بعد شہزادہ رُک گیا۔ حبشنوں نے اُسے پھر نرغے میں لے لیا۔ اِس کے بعد بڑی دیر تک یہی تماشا ہوتا رہا۔ نرغے سے نِکل کر شہزادہ بھاگتا، بھاگ کر رُک جاتا۔ حبشنیں اُسے گھیرے میں لے لیتیں اور وہ اُن سے چونکھی لڑائی لڑنے لگتا۔ آخر کار حبشنوں کا دم پھول گیا۔ اُن میں دوڑنے اور بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے کی سکت نہ رہی۔ یہ دیکھ کر شہزادہ بھی خُود کو بے دَم اور تھکا ہُوا ظاہر کرنے لگا۔ حبشنوں تے اُسے گھیرے میں لے لیا۔ وار کرنے کے بجائے اب وہ اُسے اپنے تیغوں سے آگے بڑھنے کا اِشارہ کر رہی تھیں۔ شہزادہ لڑکھڑاتے قدموں سے اُن کے حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔ بظاہر ایسا معلُوم ہوتا تھا جیسے وہ اُن کی حراست میں آ چکا ہے۔ حبشنیں اُسے شہزادی مہ جبین کے محل کی سمت لیے جارہی تھیں۔

جس طرف یہ سب لوگ جا رہے تھے، اُدھر کافی فاصلے پر اُونچے اُونچے درختوں سے بھرے ہوئے ٹیلوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ٹیلے کے نشیب

میں گھنی جھاڑیوں کی بھُول بھُلیّاں تھیں۔ کئی قیدی شہزادوں نے اُس طرف سے بھاگنے یا شہزادی کے محل تک پہنچنے کی کوشش کی تھی لیکن یا تو وہ جھاڑیوں کی بھُول بھلیّوں میں چکّر کھا کے واپس آ گئے تھے یا ٹیلے پر جا کر پلٹ آئے تھے کیوں کہ وہ ٹیلے پر جتنا چڑھتے جاتے وہ اور اُونچا ہوتا جاتا۔

جھاڑیوں سے گُزر کر جب یہ قافلہ ٹیلے کی ترائی میں پُہنچا تو سامنے کہیں بھی کوئی درّہ نظر نہ آیا۔ شہزادہ سمجھا کہ ٹیلے کو چڑھ کر پار کرنا پڑے گا۔ وہ ٹیلے کی اُونچائی کا جائزہ لینے کے لیے رُک گیا۔ اُسی لمحے کئی حبشنیں غصّے سے چیخ اُٹھیں۔ شہزادے نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا۔ وہ اُسے آگے بڑھنے کا اِشارہ کر رہی تھیں۔ اب جو شہزادے نے نگاہ کی تو ٹیلے کے اندر اُسے ایک کشادہ راستہ دکھائی دے رہا تھا، بالکل سُرنگ کی طرح کا۔ حبشنوں نے گھیرا اور تنگ کر دیا اور شہزادہ اُن کے بیچ میں گھرا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ سُرنگ کے اندر چند قدم چلنے کے بعد اچانک شہزادے کو اپنے سامنے ایک بُہت خوب صُورت باغ نظر آیا۔ باغ کے بیچ میں اُونچے درختوں کی اوٹ سے شہزادی مہ

جبین کا چاندی کا محل جھانک رہا تھا۔ اتنا خوب صُورت باغ اور محل شہزادے نے اب تک نہ دیکھا تھا۔ جا بجا پھُولوں کے تختے لگے ہوئے تھے۔ ہر قسم کے میوؤں اور پھلوں کے درخت لدے پھندے کھڑے تھے۔ سنگِ مرمر کے حوض اور فوّارے آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر رہے تھے۔ رنگ برنگ کے خوب صُورت پرندے اِدھر اُدھر اُڑتے پھِر رہے تھے۔ شہزادے نے پیچھے پلٹ کے جو دیکھا تو ٹیلوں کے سلسلے کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ اُس کی جگہ باغ کے ارد گرد چاندی کی چمکتی ہوئی چار دیواری نظر آ رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہی اِس باغ کی طلسمی چار دیواری ہے۔

اِتّفاق سے اُس وقت شہزادی مہ جبین الماس پوش ایک حوض کے کنارے کھڑی مچھلیوں کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ اُسے دیکھ کر ساری حبشنیں سامنے سے ہٹ کر شہزادے کے پیچھے ایک قطار میں کھڑی ہو گئیں اور شہزادے کو تلوار پھینک کر شہزادی کی طرف بڑھنے کا اِشارہ کرنے لگیں۔

شہزادہ اسد کی نگاہ شہزادی پر پڑی تو خُود بخود تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔ اچانک شہزادی چونکی۔ اِشارے سے اُس نے حبشنوں کو چلے جانے کے لیے کہا۔ حبشنیں وہاں سے رُخصت ہو گئی۔ اب شہزادے کو بھی ہوش آیا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور شہزادی کے سامنے سر جھکا کر کہنے لگا۔

"میں آپ کا مجرم ہُوں۔ آپ کے ہاتھوں ہر سزا بھگتنے کے لیے تیّار ہوں۔"

"میں تمہیں معاف کرتی ہوں۔" شہزادی نے کہا اور اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی "تُم کن ہو؟ صحرائے طِلسم میں کیسے پُہنچے؟"

شہزادے نے اپنی اُس وقت تک کی ساری بپتا بیان کی۔ پھر اُس نے اُن خوابوں کا بھی ذِکر کیا جو وہ دیکھتا رہا تھا اور جس میں وہ اور شہزادی ایک دوسرے کے ساتھ ہُوا کرتے تھے۔ اُن میں سے کئی خواب ایسے تھے جو بالکل اُسی طرح شہزادی مہ جبین الماس پوش نے بھی دیکھے تھے۔ اِس

تصدیق کے بعد غیریت اُن کے دِلوں سے جاتی رہی۔ دونوں نے مِل جُل کر حالات کا مُقابلہ کرنے کا عہد کیا۔

اِس کے بعد شہزادی نے تالی بجائی۔ تھوڑی ہی دیر میں اُس کی وزیرزادی دِل آرام اور اُس کے سامنے آ حاضر ہوئی۔ شہزادی نے الگ ہٹ کر اُس سے آہستہ آہستہ کچھ باتیں کیں۔ شروع میں اُن دونوں کے درمیاں کُچھ ردّ و کد ہوئی مگر بعد میں دونوں ہم خیال نظر آنے لگیں۔ دونوں ایک ساتھ محل کی طرف چل دیں۔ چلتے وقت شہزادی نے شہزادے کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ شہزادہ اسد اُن دونوں کے پیچھے ہو لیا۔

چلتے چلتے تینوں محل کی نچلی منزل کے ہال میں جا داخل ہوئے۔ ہال کے وسط سے ایک کُشادہ زِینہ اُوپر کی منزل کو جاتا تھا۔ شہزادی اور دِل آرام ساتھ ساتھ اُوپر کو چل دی۔ شہزادہ ہال میں ٹھٹکا تو اُنہوں نے اُسے اُوپر آنے کا اشارہ کیا۔ اِس پر اُن کے پیچھے پیچھے وہ بھی زینے طے کرنے لگا۔ ایک، دو،

تین، چار، پانچ یکّے بعد دیگرے پانچ زینے بخوبی طے کر گیا۔ لیکن چھٹّے زینے پر چڑھنے کے لیے جُونہی اُس نے پیر اُٹھایا، دھڑام سے ہال کے فرش پر چاروں شانے چِت جا ِگرا۔ شہزادی اور دِل آرام اُس سے کئی زینے اگے تھیں۔ دھماکے کی آواز سُنتے ہی دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ شہزادے کو فرش پر پڑا دیکھتے ہی شہزادی مہ جبین کی چیخ نِکل گئی۔ شہزادہ اپنی جگہ ہکّا بکّا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ یہ کیا اور کیسے ہوا؟ زینے پر قیمتی قالین بچھا ہوا تھا لہٰذا یہ سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا کہ چکناہٹ کی وجہ سے اُس کا پیر پھسل گیا ہو گا۔ پھر اگر کسی سبب سے اُس کا پیر پھسلتا تو وہ زینوں پر لڑھکنیاں کھاتا ہُوا نیچے جاتا۔ یوں اُچھال کھا کے چِت فرش پر نہ ِگرتا۔ یہ تو ایسا تھا جیسے کسی نے اُسے دونوں پیروں سے اُٹھا کر اُلٹا پٹخ دیا ہو۔

کُچھ حیران اور کُچھ شرمندہ ہوتا ہوا وہ فرش سے اُٹھا اور پھر زینے چڑھنے لگا۔ اِس بار پھر چھٹّے زینے پر پیر رکھتے ہی وہ پہلے کی طرح دھم سے فرش پر جا گرا۔ اگر فرش پر موٹا اور نرم قالین نہ بچھا ہوتا تو یقیناً اُس کا سر پاش پاش ہو جاتا۔

دھمک محسوس ہونے کے علاوہ اِس بار بھی اُسے کوئی خاص چوٹ نہ آئی۔ شہزادی اور وزیر زادی دِل آرام دونوں لپکتی ہُوئی نیچے اُتریں۔ حیرت اور دہشت سے دونوں کے چہروں کی رنگت اُڑی ہوئی تھی۔ شہزادی بولی "ہائے کیاہو گیا آپ کو؟ کیوں گر جاتے ہیں۔ کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟"

"بھوک پیاس کی تکلیف سے شاید چکّر آ گیا ہو گا۔" دِل آرام نے کہا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" شہزادے نے کھڑے ہو کر اپنے جسم کو ٹٹولتے ہوئے کہا اور ایک لمحہ خاموشی کے ساتھ زینوں کو گھورتے ہوئے بولا۔ "شہزادی صاحبہ میں محسوس کرتا ہوں کہ دونوں بار کِسی اَن دیکھی طاقت نے مُجھے پکڑ کر اُچھال دیا ہے۔"

"ہائیں!" شہزادی کے مُنہ سے بے ساختہ نکلا۔ "مگر یہاں تو کوئی بھی نہیں دِکھائی دیتا۔ آپ کو وہم ہوا ہے۔"

"نہیں شہزادی صاحبہ۔" دِل آرام نے کُچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "شہزادے

صاحب ٹھیک کہتے تھے۔ مُجھے یاد آیا۔ آپ کی پھوپھی جان نے چلتے وقت مُجھے تسلّی دی تھی کہ میں حفاظت کا پورا اِنتظام کیے جا رہی ہوں۔ میری واپسی تک کوئی غیر آدمی زینے چڑھ کر اُوپر نہیں آ سکتا۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی بھُوت زینے پر مقرّر کر گئی ہیں۔“"

”سچ!“ شہزادی نے چونکتے ہوئے کہا۔

دِل آرام نے جواب میں گردن ہلائی تو شہزادی اُس سے بولی ”پیاری دِل آرام، تم میری راز دار اور سچّی دوست ہو۔ تمہیں بھی جادُو آتا ہے۔ شہزادہ میرا مہمان ہے۔ اِس کی خاطر تواضع مُجھ پر فرض ہے۔ کوئی ہُنر چلاؤ۔ جادُو جگاؤ۔ اِس مُوذی بھُوت کو زینے سے دفع کرو۔ زندگی بھر احسان مانوں گی۔“

دِل آرام شہزادی کی یہ بات سُن کر کُچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر بولی۔ ”شہزادی صاحبہ، آپ مجھ پر بھروسا کرتی ہیں تو میں بھی آپ کا کہا نہ ٹالوں گی مگر یہ سمجھ لیجیے کہ پھوپھی جان آ گئیں تو آپ کو تو شاید ڈانٹ ڈپٹ کر چھوڑ دیں

لیکن مُجھے کچّا ہی چبا جائیں گی۔ طلِسم ہوش رُبا کی حد میں میرا رہنا ناممکن ہو جائے گا۔"

"تم کوئی غم نہ کرو دِل آرام۔ میں اپنی قسم کھا کے کہتی ہوں تُم پر کوئی آنچ نہ آنے دوں گی۔ تُمہارے لیے یہاں رہنا مشکل ہوا تو میں بھی طلِسم ہوش رُبا چھوڑ دوں گی۔ زندگی بھر تمہیں اپنی بہن سمجھوں گی۔"

"خیر جو قسمت میں لکھا ہو، پورا ہو گا۔ میں کوشش کرتی ہُوں۔"

یہ کہہ کر دِل آرام نے کُچھ منتر پڑھے اور زینے کی طرف پھُونک ماری۔ جواب میں فوراً ہی زینے کی جانب سے خوفناک قہقہے کی آواز سُنائی دی۔ شہزادے اور شہزادی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دِل آرام کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا۔ اُس نے اپنی جھولی میں ہاتھ ڈال کر ایک ناریل نِکالا اور کُچھ پڑھ کر زور سے زینے پر کھینچ مارا۔ ناریل دھماکے کے ساتھ پھٹا اور زینے پر سیاہ رنگ کا گہرا دھواں چھا گیا۔ زینے کی جانب نے زور زور سے سانس لینے اور

بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔ چند لمحوں بعد دھواں غائب ہو گیا اور اُس کے بعد پھر پہلے جیسے قہقہے کی آواز گونج اُٹھی۔

دِل آرام کی آنکھوں سے شُعلے نکلنے لگے۔ وہ غصّے سے چیخی۔ "اچھّا ٹھہر، اب میں تُجھے بھسم ہی کر کے چھوڑوں گی۔"

یہ کہہ کر اُس نے جھولی میں ہاتھ ڈال کر ایک انڈا نِکالا۔ اس پر سیندور سے کُچھ نشانات بنے ہوئے تھے۔ انڈے کو ایک ہاتھ میں لے کر اُس نے ایک چھوٹا چاقو بھی نکالا۔ اُس سے انڈے کا نوک والا حصّہ ذرا سا توڑ کر اُس میں سوراخ کیا، پھر اُسے سنبھالے ہوئے اپنی بائیں ہاتھ کی چھنگلی میں چاقو سے ہلکا شگاف دیا۔ خُون رِسنے لگا تو اُسے انڈے کے ٹوٹے ہوئے حصّے کے اُوپر رکھ کر پانچ قطرے خُون کے انڈے کے اندر ٹپکائے۔ اِس کے بعد اُس نے چاقو کو جھولی میں رکھا۔ انڈے کو دائیں ہاتھ میں لیا اور منتر پڑھ کر زینے پر اُچھال دیا۔ قہقہے کی آواز زینے سے اب تک آ رہی تھی۔ انڈا زینے پر گر کر ٹوٹا تو اُس

سے زور دار شر شراہٹ کے ساتھ نیلے پیلے شعلے بُلند ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے قہقہے چیخوں میں تبدیل ہو گئے۔ ہلکے دھوئیں کا ایک سایہ شُعلوں کے حِصار میں اِدھر اُدھر لہراتا ہُوا بھاگتا مگر کسی جانب راہِ فرار نہ پاتا۔ چند ہی لمحے بعد لہراتا ہوا سایہ اِک بارگی شعلوں کا ایک سُرخ اور زرد بھبکا سا بنا۔ اور پھر زینہ صاف ہو گیا۔ دھواں اور شعلہ بھی غائب ہو گئے۔

"چلیے شہزادے صاحب۔" دِل آرام اسد سے بولی۔ "رکاوٹ دُور ہو گئی۔ بھُوت بھسم ہو گیا۔"

دِل آرام کو احسان مند نِگاہوں سے دیکھتے ہوئے شہزادی مہ جبین نے شہزادے کا ہاتھ پکڑا اور دونوں ساتھ ساتھ زینے چڑھنے لگے۔ جب وہ چھٹا زینہ طے کر کے آگے بڑھ گئے تو دِل آرام بھی اِطمینان کے ساتھ اُن کے پیچھے ہو لی۔

جھٹ پٹے کا وقت ہو چکا تھا۔ جیسے ہی وہ سب ایوان میں داخل ہوئے طلِسمی

مشعلیں روشن ہو گئیں۔ چاندی کا محل بُقعۂ نور بن گیا۔ اس روشنی میں ایوان کی سجاوٹ اور بھی نکھر گئی تھی۔ شہزادہ اسد بے اختیار کہہ اُٹھا۔

"شہزادی صاحبہ، خوبصورتی اور آرائش میں آپ کے محل کا جواب نہیں۔ اگر مہم سَر کرنے کا خیال دِل میں نہ ہوتا تو میں کُچھ عرصہ یہیں قیام کرنے کا فیصلہ کرتا۔"

"تو کیا؟" شہزادی نے کہا "آپ چلے جائیں گے؟"

شہزادہ اسد کُچھ کہنا چاہتا تھا کہ دِل آرام کہہ اُٹھی۔ "شہزادے صاحب، خواہ مخواہ اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنے سے کیا فائدہ۔ جب تک آپ کے بچھڑے ہوئے ساتھی آپ سے نہ آملیں یا کوئی اور بات ایسی پیش نہ آئے کے آپ کا کہیں جانا ضروری ہو، اُس وقت تک آپ آرام سے یہیں رہیے۔"

"مگر کیا میرا یہاں رہنا آپ لوگوں کو پریشانی میں مبتلا نہیں کر دے گا۔" شہزادے نے سوال کیا۔

”آپ اُس کی فکر نہ کریں۔“ دِل آرام نے جواب دیا۔ ”شہزادی صاحبہ کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لیے شہنشاہ افراسیاب نے اپنی بڑی بہن صنوبر جادُو کو یہاں رکھ چھوڑا ہے۔ فی الحال وہ شہنشاہ کے دربار میں گئی ہوتی ہے۔ دو چار دِن میں واپس آ جائے گی۔ بِلا شُبہ وہ سخت مزاج اور زبردست جادُوگرنی ہے مگر میں ایسا انتظام کر دوں گی کہ اُسے مُطلق خبر نہ ہو پائے گی کہ آپ یہاں رہتے ہیں۔“

شہزادہ خاموش ہو گیا۔ شہزادی کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ دِل آرام نے کنیزوں کو بُلایا اور انہیں کھانا لگانے کی ہدایت دینے لگی اُسی وقت شہزادے نے غُسل کی خواہش ظاہر کی۔ کئی دِن سے اُسے نہانے اور لباس تبدیل کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ دِل آرام نے فوراً ایک کنیز کو حکم دیا کہ توشہ خانے سے ایک مردانہ شاہی جوڑا حمام خانے میں پہنچائے۔ دوسری کنیز کو اشارہ کیا کہ وہ شہزادے کو حمام میں پُہنچا دے۔ دونوں کنیزوں نے حکم کی تعمیل کی۔

تھوڑی دیر بعد شہزادہ حمام سے فارغ ہو کر ایوان میں آ گیا۔ اب اُس کی آن بان اور سج دھج ہی نرِالی تھی۔ شہزادی نے کنیزوں کو محفل جمانے کی ہدایت کی۔ کنیزیں محفل کی تیّاری میں لگ گئیں اور وہ شہزادہ اسد اور دِل آرام کے ساتھ کھانے کے کمرے کو چل دی۔

شہزادے کو کوئی خاص بھُوک نہ تھی مگر کُچھ شہزادی کے اِصرار سے اور کُچھ کھانے کے بے اِنتہا لذیذ ہونے کی وجہ سے وہ ہاتھ نہ روک سکا۔ کھاتا ہی چلا گیا ۔ حتیٰ کہ پیٹ میں پانی پینے کی بھی جگہ نہ رہی۔ وہ سوچنے لگا کہ شاید اب محفل میں اُس سے جم کر نہ بیٹھا جا سکے گا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ دردِ سر کا بہانہ بنا کر وہ یہاں سے اُٹھتے ہی آرام کرنے کی خواہش ظاہر کرے گا۔ لیکن اُسے یہ بہانہ کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ دستر خوان سے اُٹھتے اُٹھتے شہزادی نے کھیر جیسی ایک چیز زبردستی شہزادے کو دو چمچ کھِلا دی۔ آناً فاناً شہزادے کو چند ڈکاریں آئیں اور اُس کی طبیعت بشاش ہو گئی۔ پیٹ کی گرانی جاتی رہی۔

تینوں کھانے کے کمرے سے نِکل کر محفل میں آ بیٹھے۔ گانے اور ساز بجانے والی کنیزیں تیّار ہو کر اُن کا انتظار کر رہی تھیں۔ شہزادی کا اِشارہ پاتے ہی سب اپنا اپنا کمال دِکھانے کے لیے سنبھل گئیں۔ سب سے پہلے سازوں پر گت بجائی گئی۔ گت کیا تھی بے لفظ گیتوں کی پھوہار تھی۔ ترنّم کی آبشار تھی۔ نسیمِ بہار کے جھونکے تھے جو اٹھلاتے ہوئے چل رہے تھے۔ در و دیوار وجد کرنے لگے۔

گت کے بعد غزلوں اور گیتوں کا دُور چلا۔ ایک عجیب سماں بندھا۔ لیکن پھر اچانک رنگ میں بھنگ پڑ گئی۔ طِلسمی مشعلیں جلنے بجھنے لگیں۔ دروازے اور کھڑکیاں لرزنے لگیں۔ ایک بھونچال سا آ گیا۔ کنیزوں میں کہرام مچ گیا۔ کوئی ساز پٹخ کر بھاگی، کوئی دہشت سے چیختی ہوئی اِدھر اُدھر دوڑنے لگی۔ شہزادہ اور شہزادی گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دونوں نے دِل آرام کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

”حضور غضب ہو گیا۔ آپ کی پھوپھی صنوبر جادُو کو شاید بھُوت کے بھسم ہونے کا پتا چل گیا۔ وہ غصّے میں اُڑتی ہوئی چلی آتی ہیں۔ دَم کے دَم میں یہاں پہنچا چاہتی ہیں۔“

اُڑتی پہاڑی

صنوبر جادُو کی آمد کا رنگ دیکھ کر شہزادی لرز اُٹھی۔ اُس نے دِل آرام سے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ ”بہن، اب میری عزّت اور شہزادے کی زندگی تمہارے ہاتھ ہے۔ جلدی کرو۔ کسی نہ کسی طرح شہزادے کو چھپاؤ۔ پھوپھی جان نے دیکھ لیا تو قیامت ٹوٹ پڑے گی۔“

دِل آرام نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ ”اچھّی بات ہے۔ میں کوئی ترکیب سوچتی ہُوں مگر اِن تینوں کو حکم دیجیے کہ سب پہلے کی طرح اپنی اپنی جگہ سنبھالیں۔ پھوپھی لاکھ دھمکائیں پر شہزادے کے بارے میں زبان پر ایک حرف بھی نہ لائیں۔“

شہزادی کنیزوں کو تاکید کرنے لگی۔ دِل آرام نے کُچھ سوچا اور پھر جھولی میں ہاتھ ڈال کر چاندی کا ایک لچھّا نکالا۔ جلدی جلدی کوئی منتر پڑھا اور لچھّے کے بیچ میں سے شہزادے کے چہرے کی جانب پھُونک ماری۔ شہزادہ حیران ہو کر اُسے دیکھنے لگا۔ دِل آرام نے کچھا شہزادے کی طرف بڑھایا اور کہنے لگی۔

”لیجئے شہزادہ صاحب، یہ لچھّا اپنے بائیں پیر میں پہن لیجیے۔ آپ فوراً ایک سفید کبوتر بن جائیں گے۔ یہ لچھّا ایک چھلّے کی شکل میں آپ کے پیر میں پڑا رہے گا۔ جب آپ اصلی حالت میں آنا چاہیں تو چھلّے کو چونچ میں دبا کر ہلکا سا کھینچ لیجیے گا۔ جلدی کیجیے۔ سوچنے کا بالکل وقت نہیں۔“

اُسی وقت زینے پر سے دھب دھب کی آوازیں آنے لگیں، جیسے کوئی غصّے سے پیر پٹختے ہوئے اوپر چڑھ رہا ہو۔ شہزادے نے لچھّا دِل آرام کے ہاتھ سے لے کر جلدی سے پیر میں ڈال لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ کبوتر بن گیا۔ اُس وقت تک ساری کنیزیں بھی شہزادی کے ڈانٹنے سمجھانے سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ چکی

تھیں۔ دِل آرام کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ شہزادی اور کنیزوں کو اشارے سے تسلّی دیتے ہوئے اُس نے کبوتر کو اُٹھایا اور شہزادی کے کندھے پر بٹھا دیا۔ عین اُسی وقت صنوبر جادُو کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ مُنہ سے جھاگ اُڑ رہا تھا۔

دروازے کے اندر چند قدم آ کر وہ رُک گئی۔ کھا جانے والی نگاہوں سے ہر ایک کو گھورا۔ ہر چیز کو جائزہ لیا اور غصّے سے پیر پٹخ کر چیخنے لگی۔ ”یہاں کون اجنبی آیا ہے؟ زینے کے بھُوت کو کِس نے بھسم کیا ہے؟ تُم سب یہاں کیا کر رہی ہو؟“

کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ اُس سے آنکھ ملا سکے۔ یا ایک لفظ بھی کہہ سکے۔ کنیزوں کا خُون خُشک ہو گیا۔ دہشت سے اُنھوں نے نِگاہیں فرش پر گاڑ دیں۔ دِل آرام کا کلیجا کپکپانے لگا۔

شہزادی کے چہرے پر بھی ہوائیاں اُڑنے لگیں تھیں مگر جلد ہی خُود کو سنبھال کر اُس نے جواب دیا۔ ”پھوپھی جان، یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ یہاں تو کوئی بھی اجنبی نہیں آیا۔ نہ ہم نے کوئی بھُوت دیکھا ہے نہ اُس کے بھسم کرنے والے کو۔ البتّہ ابھی ابھی یہاں ہم نے زلزلے اور طُوفان جیسی حالت ضرور محسوس کی تھی۔“

یہ کہہ کر شہزادی نے کبوتر کندھے سے اُتارا اور دونوں ہاتھوں میں لے کر اُسے پیار کرنے لگی۔

صنوبر جادُو نے شہزادی کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر دِل آرام کے چہرے پر گاڑ دیں اور بولی۔ ”کیوں ری کیا مہ جبیں کی طرح تُم بھی کُچھ نہیں جانتی؟ زینے کا بھُوت خُود بخود جل مرا ہے؟ یہاں کوئی اجنبی نہیں آیا ہے؟“

دِل آرام نے جی کڑا کر کے کہا۔ ”حضور معاف کیجیے گا۔ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ ہم جان بوجھ کر آپ سے کوئی بات چھپا رہے ہیں، آخر آپ کو دھوکے میں

رکھنے سے میں کیا فائدہ ہو گا؟"

"ابھی معلُوم ہو جائے گا۔" صنوبر جادُو نے کہا اور پھر ایک لمحے خاموشی سے کُچھ سوچنے کے بعد کنیزوں سے بولی۔ "میں اپنے کمرے میں چلتی ہُوں، تم سب ابھی اِسی وقت میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ خبردار، اگر کوئی اِدھر اُدھر ہوا یا کِسی نے آپس میں کوئی بات کی۔"

یہ کہہ کر صنوبر پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ کنیزیں ایک ایک کر کے اُس کے پیچھے ہو لیں۔ کِسی نے نِگاہ اُٹھا کر شہزادی اور دِل آرام کی طرف نہ دیکھا۔ اُن کے جانے کے بعد شہزادی بھی دِل آرام کو لے کر اپنے کمرے میں جا پہنچی۔ دونوں سخت پریشان تھیں۔ اُنھیں اندیشہ ستا رہا تھا کہ کہیں کوئی کنیز صنوبر جادُو کے سامنے شہزادے کا راز نہ اُگل دے۔

اُن کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ایک وفادار کنیز بھاگی ہوئی آئی اور اُس نے شہزادی کو بتایا۔ "صنوبر جادُو کو شہزادے کا راز معلُوم ہو

چکاہے۔ وہ ہنٹر لیے اِدھر چلی آرہی ہے۔"

شہزادی یہ سنتے ہی پیلی پڑ گئی۔ دِل آرام خطرے کو سامنے دیکھ کر سنبھل گئی۔ کنیز کو اُس نے دوسرے کمرے کی طرف بھاگ جانے کا اِشارہ کیا۔ شہزادی کے ہاتھ سے کبوتر جھپٹ کر اُسے کھڑکی کے پردے کے پیچھے چھوڑ دیا اور جھٹ پٹ ویسا ہی ایک کبوتر جادُو سے اور بنا کر شہزادی کے ہاتھ میں دے دیا۔

اُسی وقت صنوبر جادُو اپنی ایک وفادار خواص کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ آتے ہی اُس نے شہزادی کے ہاتھ سے کبوتر چھینا اور اپنی خواص کے حوالے کرتے ہوئے اُس سے کہا۔ اِسے لے جا کر فوراً طِلسمی پنجرے میں بند کر دے۔ اِس سے بعد میں نپٹوں گی۔ ابھی ذرا اِس نمک حرام دِل آرام کی خبر لُوں۔"

خواص کبُوتر کو لے کر اُلٹے پاؤں واپس ہو گئی۔ شہزادی صنوبر جادُو کے

قدموں پر گر کر دِل آرام کے حق میں سفارش کرنے لگی۔ مگر اُس بے رحم
نے ٹھوکر مار کر شہزادی کو پرے کیا اور پھر وحشیوں کی طرح قہقہے لگاتے
ہوئے دِل آرام پر ہنٹر برسانے لگی۔ شہزادی نے ایک بار پھر دِل آرام کو
بچانے کی کوشش کی لیکن ہنٹر کی ایک بھرپور چوٹ سے بے ہوش ہو کر گر
پڑی۔ کُچھ دیر تک دِل آرام آگے پیچھے اور دائیں بائیں اُچھل اُچھل کر ہنٹر کے
وار سے خود کو بچاتی رہی مگر جب صنوبر جادُو کے حملوں میں شدّت آگئی تو اُس
کی پھُرتی اُس کے زیادہ کام نہ آ سکی۔ ہنٹر کا کوئی وار اُس کے جسم پر پڑتا اور
لِباس کے ساتھ ساتھ کھال اُڑا کر لے جاتا۔ زخم کی ایک گہری لکیر اُس کے
بدن میں بن جاتی اور وہ تکلیف سے بِلبِلا اُٹھتی۔ بچاؤ کی کوئی صورت نہ پا کر بے
چاری نے بھاگ جانے کا ارادہ کیا اور اُس دروازے کی طرف، کھسکنا شروع کیا
جس سے کُچھ دیر پہلے اُس نے کنیز کو بھگایا تھا۔ صنوبر جادُو اُس کا یہ اِرادہ بھانپ
گئی۔ چھلانگ لگا کر دروازے کی طرف جا پہنچی، دروازے کو بند کر کے چٹخنی
چڑھائی اور پھر ہنٹر سنبھال کر دِل آرام پر پل پڑی۔ دِل آرام تلملاتی ہوئی

پیچھے ہٹنے لگی۔

شہزادہ اسد کبُوتر کے روپ میں کھڑکی کے پردے سے جھانک جھانک کر یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اُس کا خُون کھول رہا تھا۔ رہ رہ کر اُس کا دِل جوش سے بے قابو ہوا جارہا تھا۔ مگر صنوبر جادُو کے سامنے کے رُخ ہونے کی وجہ سے وہ ضبط کر رہا تھا۔ اُسے اندیشہ تھا کہ جوں ہی وہ سامنے سے اُس پر جھپٹنے کی کوشش کرے گا، جادُو کے ذریعے وہ اُسے بے بس کر دے گی اور وہ اُس کا کُچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ وہ خُدا سے دعائیں مانگ رہا تھا کاش وہ کھڑکی کی طرف پشت کرے اور وہ دھوکے سے اُس کا گلا دبائے۔

آخر کار شہزادے کی یہ دُعا قبول ہوئی۔ دروازہ بند کر کے صنوبر جادُو جب دِل آرام پر وار کرنے لگی اور اُس نے پیچھے ہٹنا شروع کیا تو اُس کی پشت کھڑکی کی طرف ہو چکی تھی۔ اُسے پیچھے کی کوئی سُدھ نہ رہی۔ اِسی موقع پر شہزادے نے پیر میں پڑے ہوئے چھلّے کو چونچ میں دبا کر کھینچنا شروع کر دیا۔ دم کے دم

میں وہ کبوتر سے انسان کے روپ میں آگیا۔

پیر کا چھلّا پہلے کی طرح لچھّے کی شکل میں آچکا تھا۔ شہزادے نے اُسے پیر سے نکال کر کھڑکی کی چوکھٹ پر ایک جگہ رکھ دیا۔ پردہ ہٹا کر احتیاط کے ساتھ نیچے اُترا اور پھر اِک بارگی صنوبر جادُو پر پیچھے سے جھپٹ پڑا۔ اُسے انسان کے روپ میں دیکھتے ہی دِل آرام چیخ پڑی تھی اور اِس بات سے صنوبر جادُو کو کُچھ شُبہ ہو گیا تھا کہ اُس کے پیچھے کوئی اچانک آگیا ہے۔

قبل اِس کے کہ وہ پلٹ کر شہزادے کو دیکھتی اور اُسے بے بس بنانے کے لیے کوئی منتر پڑھتی، اُس کی گردن شہزادے کے مضبوط پنجوں کی گرفت میں آچکی تھی۔

اپنی گردن چھڑانے کے لیے صنوبر نے جان توڑ کوشش کی۔ لیکن شہزادے کی انگلیاں اُس کے حلق میں دھنستی ہی گئیں۔ اور اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ آنکھیں اُبل پڑیں۔ زبان باہر نِکل آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس کے بدن

میں موت کی کپکپی طاری ہو گئی۔ شہزادے نے اُس کی گردن کو آخری بار جھٹکا دیا اور پھر اُسے فرش پر پھینک دیا۔ دِل آرام پھٹی پھٹی نگاہوں سے یہ سب دیکھتی رہی۔ دہشت سے اُس کا چہرہ سفید ہو گیا تھا۔ زبان گنگ ہو گئی تھی۔

صنوبر جادُو نے چند ہچکیاں لیں اور ٹھنڈی پڑ گئی۔ اُسی لمحے شہزادہ اسد اُچھل کر بے ہوش شہزادی کے قریب جا پہنچا۔ مگر ابھی اُس نے اُس کے سر کو اپنے زانو پر رکھ کر اُسے آواز دینے کا اِرادہ ہی کیا تھا کہ اِکبارگی ہر طرف گھپ اندھیرا چھا گیا۔ خوفناک آندھی چلنے لگی، در و دیوار ہلنے لگے، دِل کو دہلا دینے والی آوازیں گونجنے لگیں۔ کُچھ دیر یہی حال رہا۔ اُس کے بعد رفتہ رفتہ آندھی کا زور ٹوٹا، شور ختم ہوا اور کہیں سے ایک دردناک آواز آئی۔ ”افسوس صد افسوس۔ میں دنیا سے نامراد گئی۔ مُجھے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا۔ میرا نام صنوبر جادُو تھا۔“

چند لمحے بعد تاریکی غائب ہو گئی۔ شہزادی مہ جبین الماس پوش ہوش میں آ

گئی۔ ایک جانب دِل آرام دیوار سے لگی سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ دوسری طرف فرش پر صنوبر جادُو کی لاش پڑی تھی۔

اچانک صنوبر جادُو کی کھوپڑی چٹخی۔ سیاہ رنگ کا ایک چھوٹا سا پرندہ پھڑ پھڑا کر اُس میں سے باہر نکلا اور کمرے کا ایک چکر کاٹ کر اُڑتا ہوا باہر نِکل گیا۔ شہزادہ اور شہزادی یہ ماجرا دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور سوالیہ نگاہوں سے دِل آرام کو دیکھنے لگے۔ دِل آرام بھی چونک پڑی۔ قریب آ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہنے لگی۔ ”شہزادہ صاحب، صنوبر جادُو کو ہلاک کر کے آپ نے بڑا غضب کیا۔ وہ شہنشاہ افراسیاب کی سگی بہن تھی۔ اب یہ پرندہ سیدھا اُس کے پاس جائے گا۔ اُسے بہن کی موت کی خبر سنائے گا۔ جِس قدر جلد ہو سکے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کیجیے۔ اپنے آپ کو افراسیاب کے انتقام سے بچانے کی فکر کیجیے۔ یہ خبر سُنتے ہی وہ طیش میں آئے گا۔ ہم سب کو گرفتار کرنے کے لیے زبردست جادُوگر بھیجے گا۔ میری اُن کے آگے ایک نہ چلے گی۔ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اُن سے نہ بچا سکے گی۔“

شہزادہ اسد دِل آرام کی یہ بات سُن کر جوش میں آ گیا۔ اور سینہ پھُلا کر کہنے لگا۔ ”میں طلِسم ہوش رُبا کو فتح کرنے اور افراسیاب کا خاتمہ کرنے کے لیے یہاں آیا ہُوں۔ اُس کے جادُوگروں کا مُقابلہ کروں گا۔ ہر گز یہاں سے نہ جاؤں گا۔ تمھیں ڈر ہے تو جہاں چاہے چلی جاؤ اپنے آپ کو بچاؤ۔ طلِسم کا خاتمہ کر لُوں گا تو تمھیں ڈھونڈ نکالوں گا۔ بھاگنے میں مَیں تمھارا ساتھ نہیں دے سکتا۔“

شہزادے کا یہ جواب سُن کر دِل آرام اور شہزادی دونوں ہکّا بکّا رہ گئیں۔ اُنھیں اُس سے ایسے دوٹوک جواب کی اُمّید نہ تھی۔ دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اِشارہ کیا اور کُچھ دیر کے لیے معاملے کو گول کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور جب شہزادے کا جوش ٹھنڈا ہوا تو اُنھوں نے اُسے قائل کر لیا کہ جان بُوجھ کر خود کو ہلاکت میں نہ ڈالنا چاہیے، عقل اور ہوش سے کام لینا چاہیے۔ طے ہوا کہ دِل آرام جادُو کے زور سے ایک پہاڑی بن جائے گی۔ وہ دونوں اُس کے ایک غار میں جا چھپیں گے اور حالات بہتر ہونے

کا انتظار کریں گے۔ دِن کر یہ پہاڑی ایک ہی جگہ قائم رہے گی۔ لیکن رات کے اندھیرے میں کسی محفوظ مقام کی طرف حرکت کرتی رہے گی۔

یہ فیصلہ کر کے تینوں نے ضرورت کی خاص خاص چیزیں اکٹھی کیں اور اُنہیں سمیٹ کر چپکے سے محل کے باہر نکل گئے۔ تھوڑی دیر میں وہ چار دیواری سے گزر کر ایک بڑے میدان میں جا پہنچے۔ یہاں ایک جگہ کھڑے ہو کر دِل آرام نے کُچھ منتر پڑھے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک چھوٹی سی پہاڑی کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ شہزادی اور شہزادہ تیزی کے ساتھ اُس پر چڑھنے لگے۔ چوٹی کے کُچھ نیچے چٹانوں کے بیچ میں اُنہیں ایک بڑے کمرے جتنا غار دکھائی دیا۔ دونوں بے کھٹکے اُس کے اندر چلے گئے۔ اُن کے اندر پہنچتے ہی غار کا دروازہ ایک چٹان نے اِس طرح ڈھانپ لیا کہ کِسی کو غار کے وہاں ہونے کا شبہ بھی نہ ہو سکتا تھا۔ فوراً ہی پہاڑی نے زمین سے بلند ہونا شروع کیا اور جب وہ اُونچے درختوں کی پھلنگوں سے اُونچی اُٹھ گئی تو اُس نے ایک طرف کو تیزی سے بڑھنا شروع کر دیا۔

اُدھر شہنشاہ افراسیاب طلِسم باطن کے باغِ سیب میں اپنا دربار لگائے بیٹھا تھا۔ سارے بادشاہ، امیر، وزیر اور ملکائیں اُس تخت کے سامنے جڑاؤ کُرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ ایک درباری شاعر شہنشاہ کی شان میں کہاہوا اپنا ایک قصیدہ پڑھ رہاتھا۔ اہلِ دربار اُس پر زر و جواہر نثار کر رہے تھے۔ اچانک ایک چھوٹا سا سیاہ پرندہ اُڑتاہُوا دربار میں داخل ہوا۔ سب چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ پرندے نے ایک بار شہنشاہ افراسیاب کے گرد چکر لگایا اور طلِسمی زبان میں پکارا۔

"ملکہ صنوبر جادُو ایک اجنبی کے ہاتھوں دھوکے سے ہلاک ہوئی۔"

یہ الفاظ ادا کرتے ہی پرندے کے جسم میں آگ بھڑک اُٹھی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے راکھ ہو کر شہنشاہ افراسیاب کے قدموں کے نیچے بکھر گیا۔

افراسیاب نے بے ساختہ زانو پر ہاتھ مارا اور "ہائے بہن، ہائے بہن" پُکار کر رونے لگا۔ دربار میں موجود ساری ملکاؤں نے اپنے بال بکھیر دیے۔ بادشاہوں

نے گریبان چاک کیے اور سب مل کر رونے پیٹنے لگے۔ اِسی حالت میں افراسیاب نے طلسمی پُتلوں کو صنوبر جادُو کی لاش اُٹھالانے کا اشارہ کیا۔ چار پُتلے اپنی جگہ سے اُٹھے اور بغیر پر کے اُڑتے ہوئے دربار سے باہر نِکل گئے۔ اُسی موقع پر افراسیاب نے منتظم دربار کو لاش رکھنے کے لیے ایک تخت لانے کا بھی حکم دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سونے کا ایک جڑاؤ تخت شہنشاہ کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا۔ اُس پر مخمل کے نرم گدّے اور اعلیٰ قسم کی ریشمی چادر بچھی ہوئی تھی۔ صُبح ہوتے ہوتے طلسمی پُتلے صنوبر جادُو کی لاش لے کر واپس آ گئے۔ اس وقت تک سارے درباری اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے سینہ پیٹتے اور آہ و بُکا کرتے رہے۔ جیسے ہی لاش آئی، دربار میں سنّاٹا چھا گیا۔ سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔

افراسیاب نے لاش کو اپنے ہاتھوں تخت پر رکھا اور اُس پر ایک قیمتی ریشمی چادر ڈال دی۔ اِس کے بعد وہ اپنے تخت پر واپس آیا۔ وزیرِ خاص کو میّت کے شاہانہ جلوس کا انتظام کرنے کی ہدایت کی اور مُلک میں تین دِن رات تک

سوگ منائے جانے کے احکام جاری کیے۔ سوگ کے دِنوں میں طلِسم ہوش رُبا کی بستی ماتم کدہ بنی رہی۔ غم منانے کے علاوہ کسی نے کوئی کاروبار نہ کیا۔

آخر چوتھے دِن دربار لگا۔ اُس دِن افراسیاب نے تخت پر قدم رکھتے ہی شہزادہ اسد، شہزادی مہ جبین اور وزیر زادی دِل آرام کو گرفتار کر کے سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ چند نامور جادُوگر اِس کام پر مقرّر ہُوئے۔ اُن میں سے ہر ایک جادُوگری اور بے رحمی میں خُود کو یگانہ سمجھتا تھا۔ اپنے سوا دوسرے کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ افراسیاب کے سامنے سُرخرُوئی حاصِل کرنے کے خیال سے ہر ایک نے اِس مہم کا سہرا اپنے سر باندھنے کی ٹھانی۔ کُچھ دُور سب ساتھ ساتھ چلے مگر پھر ہر ایک نے علیحدگی ضروری جانی۔ اُنہیں یقین تھا کہ سرحدی ناکا بندیوں کی وجہ سے شاہی مجرم طلِسم ہوش رُبا کی حد سے باہر نہ جا سکیں گے۔ بس صحرائے طلِسم میں چھُپتے پھر رہے ہوں گے۔ اِسی یقین کی بنا پر اُنہوں نے شہروں اور بستیوں میں وقت برباد کرنا غیر ضروری سمجھا۔ مختلف سِمتوں سے سیدھے صحرائے طلِسم کا رُخ کیا۔

اُدھر دِل آرام پہاڑی کی شکل میں راتوں کو مُسلسل سرحد کی طرف بڑھتی رہی۔ شہزادہ اور شہزادی غار میں محفوظ رہتے ہوئے اطمینان کے ساتھ یہ عجیب و غریب سفر طے کرتے رہے۔ کئی دِن بعد وہ ایک ایسے طِلسمی خطّے میں جا پُہنچے جہاں دِل آرام کی جادُو کی طاقت بے اثر ہو گئی۔ اُس کے علاوہ اُن کی خوراک بھی ختم ہو چکی تھی اور ایک دِن اور ایک رات سے اُن کے مُنہ میں ایک کھیل بھی نہ گئی تھی۔

عاجز آ کر دِل آرام نے شہزادے اور شہزادی کو غار سے باہر نکلنے کی رائے دی۔ دونوں پہاڑی سے اُتر ایک سایہ دار درخت کے نیچے جا بیٹھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے دِل آرام اپنی اصلی شکل میں آئی اور چلتی ہوئی دونوں کے قریب جا پہنچی۔ شہزادی بھُوک سے نڈھال تھی مگر گرفتاری کے خُوف سے اُس حال میں بھی آگے بڑھنے اور سفر جاری رکھنے پر تُلی ہوئی تھی۔ دِل آرام کو اپنے انجام کا اِس سے زیادہ ڈر تھا۔ وہ بھی آگے بڑھنے کے خیال پر ڈٹی ہوئی تھی۔ دونوں نے مل کر شہزادہ اسد پر زور دیا مگر اس نے سفر جاری رکھنے سے صاف

انکار کر دیا۔ اس پر کُچھ دیر اُن کے درمیان نیم گرم بحث ہوتی رہی۔ باتوں میں مٹھاس اور کڑواہٹ گھُلتی رہی۔ آخر کار طے پایا کہ کھا پی کر کُچھ دیر یہاں آرام کیا جائے پھر تازہ دم ہو کر پیدل سفر شروع کر دیا جائے۔

جس جگہ وہ بیٹھے ہوئے تھے، وہاں سے دُور دُور تک کوئی ایسا پھل دار درخت نہ دکھائی دیا تھا کہ یہ لوگ اُس سے پیٹ کی آگ بجھاتے، البتّہ ایسے آثار ضرور پائے جاتے تھے کہ آس پاس کُچھ نہ کُچھ پرندے اور چرندے نظر آ جائیں گے جو آسانی سے شکار کئے جا سکیں۔

شہزادہ اسد نے شکار کا ارادہ ظاہر کیا تو شہزادی مہ جبین کو وہم ستانے لگا۔ "شہزادے صاحب! میرا دِل نہیں چاہتا کہ آپ میری آنکھوں سے اُوجھل ہوں۔ علاقہ طِلِسم کا ہے، خطرہ ہر قسم کا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ جائیں اور پلٹ کر نہ آئیں۔ کسی مصیبت میں پھنس جائیں، پھر ہمارا کیا بنے گا؟"

شہزادہ اسد کا بھی دِل دہل گیا مگر شہزادی کو سمجھانے کی خاطر حوصلہ دکھاتے

ہوئے اس نے کہا۔ ”شہزادی صاحبہ، خُدا کے لیے ہمّت سے کام لیجیے۔ وسوسے کو دِل میں جگہ نہ دیجیے۔ اِطمینان رکھیے میں زیادہ دُور نہ جاؤں گا۔ انشاء اللہ جلد ہی لوٹ آؤں گا۔ بے فکری سے بیٹھیے۔ دِل آرام سے باتیں کیجیے۔ میں ابھی آیا۔“

یہ کہہ کر شہزادے نے تیر کمان سنبھالی اور پلٹ کر جنگل کی راہ لی۔ جب تک وہ نظر آتا رہا شہزادی ٹکٹکی باندھے اُس کی طرف دیکھتی رہی مگر وہ جیسے ہی جھاڑیوں کی اوٹ میں غائب ہوا شہزادی کا کلیجا بیٹھنے لگا۔ شہزادی کا یہ حال دیکھ کر دِل آرام اُسے سمجھانے لگی۔ طرح طرح کی باتوں سے اُس کا دِل بہلانے لگی۔ آخر کار شہزادی نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور وسوسوں کو بد شگونی جان کر دِل سے ٹالا۔ دونوں بیٹھے دِنوں کی باتیں کرنے لگیں اور آیندہ کی زندگی کے بارے میں خیالی پلاؤ پکانے لگیں۔

اسی حالت میں پورا ایک پہر گُزر گیا مگر شہزادہ واپس ہوتا دکھائی نہ دیا۔

دونوں نے ساری باتیں ختم کر دیں اور اب شہزادے کی واپسی کی فکر میں پریشان ہونے لگیں۔ دِل آرام سے نہ رہا گیا۔ شہزادی کو اُس نے وہیں بیٹھے رہنے کی تاکید کی اور خُود شہزادے کو آگے بڑھ کر دیکھنے کے لیے چل دی۔ جِس سمت شہزادہ گیا تھا وہ تیز تیز اُسی سمت بڑھتی رہی۔ اُونچی آواز سے رہ رہ کر شہزادے کو پکارتی رہی۔ کُچھ دُور آگے جا کر وہ بھی جھاڑیوں کی اوٹ میں غائب ہو گئی۔ شہزادی درخت کے نیچے تنہا رہ گئی۔ دِل آرام کی آوازیں جب تک اُسے سنائی دیتی رہیں اُسے کُچھ نہ کُچھ اطمینان رہا مگر جب یہ آوازیں آنا بند ہو گئیں، اُس کا دِل گھبرانے لگا۔ وہ اُٹھ کر بے چینی کے ساتھ درخت کے نیچے ٹہلنے لگی۔

آخر جب دِل آرام کو گئے ہوئے بھی پورا ایک پہر گزر گیا تو شہزادی کے ہاتھوں سے صبر کا دامن جاتا رہا۔ وہ کبھی جنگل کی طرف بڑھتی، شہزاد اور دِل آرام کو چیخ چیخ کر پُکارتی، کبھی واپس پھر درخت کے نیچے آجاتی۔ کبھی وہ سمجھتی کہ دونوں راستہ بھٹک گئے ہیں یا کِسی مُصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ مُجھے اُن کی

تلاش میں جانا چاہیے۔ کبھی سوچتی شاید چکّر کھا کر واپس آ رہے ہوں۔ میں اُنہیں یہاں نہ ملی تو وہ میری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے اور ناحق پریشان ہوں گے۔

اچانک دُور ایک جانب جھاڑیوں میں سے کُچھ سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی جھاڑیوں کے بیچ سے گُزرتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ شہزادی بے اختیار ہو اُس طرف بھاگی مگر جب اُس شخص کے پیروں میں جادُوگروں والی کھڑاؤں دیکھی تو چونکی اور اُچھل کر اُس سے دُور جا کھڑی ہوئی۔ اُس شخص کے چہرے پر پہلی ہی نظر ڈالنے پر وہ خوف سے چیخ پڑی۔ وہ شخص اسد نہیں بلکہ ایک خطرناک جادُوگر تھا اور اُن میں سے ایک تھا جو افراسیاب کے حکم سے شہزادی اور اُس کے رفیقوں کو گرفتار کرنے کے لیے چلے تھے۔

شہزادی کو دہشت زدہ دیکھ کر جادُوگر کو اُس پر رحم آ گیا۔ اُس نے سوچا اگر میں شہزادی کو چھُپا لُوں، کِسی کو اس کا پتا نہ دوں تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ اپنے

ساتھیوں کے ساتھ کہیں نِکل گئی ہے۔ شہنشاہ افراسیاب اِس سے مایوس ہو جائے گا اور وہ شہزادی سے شادی کر لے گا۔

پہلے تو اُس نے شہزادی کو تسلّی دینے کی کوشش کی اور کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیے۔ افراسیاب آپ کا کُچھ نہ بگاڑ سکے گا لیکن جب شہزادی نہ مانی تو اُس نے مکّاری سے کام لیا، ہنسا اور بولا "میں فقط آپ کا امتحان لیتا تھا۔ میں نے شہزادہ اسد کی اِطاعت اِختیار کی ہے۔ شہنشاہ افراسیاب کی وفاداری ترک کی ہے۔ اِس وقت وہ اور آپ کی وفادار خواص دِل آرام میرے غریب خانے میں تشریف رکھتے ہیں۔ مُجھے اُنہوں نے آپ کو بُلانے کے لیے بھیجا ہے۔ بس اب کسی قسم کا اندیشہ دِل میں نہ لائیے۔ جلد سے جلد تشریف لے چلیے۔ غریب خانہ یہاں سے کُچھ دُور نہیں ہے۔"

شہزادی پریشان تھی۔ اُس کی باتوں میں آ گئی۔ جادُوگر کے پیچھے پیچھے چل دی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک باغ میں جا پہنچے۔ وہاں سنگِ مرمر کے چبوترے پر

ایک خوب صورت سا بنگلا بنا ہوا تھا۔ جادُو گر اُسے بنگلے میں لے گیا۔ اب جا کر شہزادی کو معلُوم ہوا کہ اُسے دھوکا دیا گیا ہے۔ وہاں نہ دِل آرام تھی نہ شہزادہ۔ وہ وہاں سے بھاگ جانے کے اِرادے سے پلٹی مگر ظالم جادُو گر نے لپک کر اُس کی کلائی پکڑ لی۔ شہزادی کُچھ دیر خُود کو چھُڑانے کی کوشش کرتی رہی مگر پھِر صدمے کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئی۔

پھر کیا ہوا؟ یہ طِلسم ہوش ربا سلسلہ نمبر ۳ "عُمرو کے چیلے" میں پڑھیے۔